

لِشَّرِيكِ الْجَمِيعِ

اگست 2011

فہرست

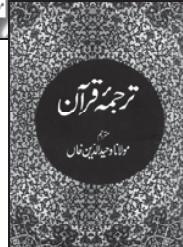
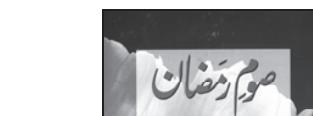
2	تاریخ دعوت—ایک جائزہ
40	حالات نہیں تو کیفیات نہیں
41	روزہ اور ترکیبِ نفس
47	اعتناق کی دوستیں

الرسال

جاری کردہ 1976

اردو اور انگریزی میں شائع ہونے والا
اسلامی مرکز کا ترجمان

زیرسرپرست
مولانا وحید الدین خاں
صدر اسلامی مرکز



Al-Risala Monthly

1, Nizamuddin West Market
New Delhi-110 013
Tel. 2435 6666, 2435 5454
46521511, Fax: 45651771
email: info@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com

Subscription Rates

Single copy ₹10
One year ₹100
Two years ₹200
Three years ₹300

A abroad by Air Mail. One year \$20

Printed and published by
Saniyasnain Khan on behalf of
Al-Markazul Islami, New Delhi

Printed at Nice Printing Press
7/10, Parwana Road
Khureji Khas, Delhi-110 051

تاریخِ دعوت—ایک جائزہ

قرآن، خالق کائنات کی کتاب ہے۔ قرآن کا موضوع ہے انسان کو خدا کے تخلیقی منصوبہ (creation plan of God) سے آگاہ کرنا۔ اس سلسلے میں قرآن کی سورہ آل عمران کی ایک آیت یہ ہے:
أَفَغَيْرُ دِينِ اللَّهِ يَعْغُونَ، وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًاً وَكَرْهًاً (3: 83) (یعنی کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں، حالاں کہ اللہ ہی کے حکم میں ہے جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے، خوشی سے یا ناخوشی سے۔

انسان کی کامیابی اس میں ہے کہ وہ اس دین اللہ کو اختیار کرے۔ اس معاملے میں، انسان کے لیے دوسرا کوئی چواؤں (choice) نہیں۔ اس دین اللہ کے دو پہلو ہیں۔ توحید، اور امن۔ توحید (oneness of God) اس دین کائنات کی نظریاتی بنیاد (ideological base) ہے۔ دین کے تمام فکری اور عملی تقاضے اسی توحید کے نظریے سے پیدا ہوتے ہیں۔ توحید کا آغاز دریافت (discovery) سے ہوتا ہے، یعنی خالق کائنات کی دریافت۔ یہ دریافت جب کسی کو حقیقی طور پر حاصل ہو جائے تو اس کے بعد اس کی پوری زندگی اس میں ڈھلتی چلی جاتی ہے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے آنے والے تمام انبیاء اسی توحید کا پیغام لے کر آتے۔

امن (peace) کا لفظ دین اللہ کے اجتماعی تقاضے کو بتاتا ہے۔ امن کا مطلب یہ ہے کہ انسانی سماج میں نارمل فطری حالت کو برقرار رکھا جائے۔ اسی فطری حالت کی برقراری پر زندگی کی تمام تغیری سرگرمیوں کا انحصار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اجتماعی اعتبار سے، امن کی حیثیت خیر اعلیٰ (summum bonum) کی ہے۔ امن دراصل سماج کی صحت مند حالت کا دوسرا نام ہے۔ امن کے بغیر کوئی بھی انسانی سرگرمی درست طور پر جاری نہیں رکھی جاسکتی، نہ دینی سرگرمی اور نہ دنیوی سرگرمی۔

انسان کو ایک آزاد مخلوق کی حیثیت سے پیدا کیا گیا ہے۔ انسان جب آزادی کا صحیح استعمال کرتا ہے تو سماج میں معتدل ما حول بنتا ہے۔ ہر قسم کی صحت مند سرگرمیاں کسی رکاوٹ کے بغیر جاری

ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس، انسان جب اپنی آزادی کا غلط استعمال کرتا ہے تو سماج میں وہ ماحول بن جاتا ہے جس کو قرآن میں فساد (85:7) کہا گیا ہے۔ ایسی حالت میں کسی بھی کام کو خوش گوار طور پر انجام دینا ممکن ہو جاتا ہے۔

قرآن کی سورہ النساء میں کہا گیا ہے: الصلح خیر (4:128) یعنی صلح بہتر ہے۔ صلح سے مراد امن اور مسالمت (conciliation) ہے، یعنی نزاع (controversy) کے وقت مکارا کا طریقہ اختیار نہ کرنا، اس کے بجائے وہ طریقہ اختیار کرنا جس میں مکارا (conflict) کے بغیر نزاع ختم ہو جائے اور دوبارہ معتدل فضایں کام ہونے لگے۔

زندگی میں نزاع کیوں پیدا ہوتی ہے۔ اس کا اصل سبب یہ نہیں ہے کہ کوئی شخص آپ کا دشمن بن گیا ہے، وہ آپ کے خلاف سازش کر رہا ہے۔ اس صورت حال کا اصل سبب خدا کا قائم کردہ تخلیقی نظام ہے۔ انسان کے پیدا کرنے والے نے ہر انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔ ہر انسان آزاد ہے کہ وہ جس طرح چاہے، اپنی آزادی کو استعمال کرے۔ اس صورت حال سے، مسابقت (competition) اور چیلنج کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ اس چیلنج کو اگر منفی معنی میں لیں تو وہ نزاع ہے اور اگر اس کو مثبت معنی میں لیں تو وہ ترقی کے لیے محک (incentive) بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو وہ انسانی معاشرہ پسند ہے جس میں امن کا ماحول پایا جاتا ہو۔ امن خدا کے نقشہ حیات کے مطابق ہے اور تشدید خدا کے نقشہ حیات کے خلاف۔ قرآن کی سورہ یوس میں ارشاد ہوا ہے: والله یدعو إلى دار السلام (10:25) یعنی اللہ سلامتی کے گھر کی طرف پکارتا ہے:

And God calls to the home of peace.

قرآن کی اس آیت میں ”دار السلام“ سے مراد اصلاً آخرت کی جنت ہے۔ جنت کامل معنوں میں امن کا مقام ہے۔ یہی پر امن زندگی موجودہ دنیا میں بھی انسان سے مطلوب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ موجودہ دنیا میں پُر امن زندگی کا ثبوت دیں، وہی وہ لوگ ہیں جو آخرت میں کامل امن کی جنت میں داخلے کے مستحق قرار پائیں گے۔

امن کا برعکس، تشدد (violence) اور جنگ ہے۔ اہل علم، امن کی تعریف (definition) اس طرح کرتے ہیں کہ امن ناجنگ حالت (absence of war) کا نام ہے۔ لیکن یہ امن کی ایک منفی تعریف (negative definition) ہے۔ امن کی ثابت تعریف یہ ہے کہ امن موضع کی موجودگی (presence of opportunity) کا نام ہے۔ امن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ موضع کارروازہ کھلوٹی ہے۔ امن کے ماحول میں ہر قسم کے موقع قابلِ حصول ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے غافل کا منشاء یہ ہے کہ امن کو ہر حال میں برقرار رکھا جائے۔ امن کو لازمی طور پر قائم رکھا جائے، خواہ اس کی کوئی بھی قیمت (price) دینی پڑے۔

ایگو کا ثبت اور منفی پہلو

انسان کو پیدا کشی طور پر ایگو (ego) کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔ ایگو کیا ہے، ایگو اپنے وجود کا احساس ہے۔ یہ انسانی دماغ کی وہ صلاحیت ہے جو آدمی کے اندر سیلف (self) کا احساس پیدا کرتی ہے:

Ego: The part of the mind that is responsible for your sense of who you are.

ایگو کا ثبت پہلو بھی ہے اور منفی پہلو بھی۔ ایگو کا ثبت پہلو یہ ہے کہ اس سے اپنے آپ پر اعتماد (confidence) پیدا ہوتا ہے۔ ایگو کے ذریعے آدمی عزم (determination) کے ساتھ کسی کام کو کرنے کے قابل بنتا ہے۔ ایگو آدمی کو یقین عطا کرتا ہے، ایگو آدمی کے اندر استحکام پیدا کرتا ہے، ایگو آدمی کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ زندگی کے چیلنج کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنا سفر آگے کی طرف جاری رکھے۔ ایگو اپنے ثبت معنی کے اعتبار سے، قوتِ حیات ہے۔ ایگو سے وہ تمام اعلیٰ صفات پیدا ہوتی ہیں جن کو مردانگی (manliness) کہا جاتا ہے۔ یہ دراصل ایگو ہے جو کسی آدمی کو مردا ہیں (iron-man) بناتا ہے۔

اسی کے ساتھ ایگو کا ایک منفی پہلو ہے۔ یہ منفی پہلو کبر (arrogance) ہے۔ ایگو جب منفی صورت اختیار کر لے تو اس سے شدید ترین برا کیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً غصہ، نفرت، تشدد، سرشاری، نانصافی، انتقام، جتنی کرناجی قتل، وغیرہ۔ اس کی ایک انتہائی مثال قرآن میں آدم کے بیٹوں، ہابیل اور قابیل کی صورت میں بیان کی گئی ہے۔ ہابیل اور قابیل دونوں سے گے بھائی تھے۔ قابیل کسی بات پر

اپنے بھائی ہابیل سے غصہ ہو گیا اور بے رحمی کے ساتھ اس کو مارڈا۔

ابتدائی دور کے اس واقعے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے ایک قانون مقرر فرمایا۔ اس قانون کا ذکر قرآن کی سورہ المائدہ میں ان الفاظ میں آیا ہے: مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ، كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادًا فِي الْأَرْضِ فَكَانَمَا قَتْلَ النَّاسَ جَمِيعًا، وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَانَمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا۔ ولقد جائزہم رسالتنا بالبيانات ثم إنَّ كثيرًا منهم بعد ذلك في الأرض لم يسرفون (32:5) یعنی اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو قتل کرے، بغیر اس کے کہ اُس نے کسی کو قتل کیا ہو یا اُس نے زمین میں فساد برپا کیا ہو، تو گویا اُس نے سارے آدمیوں کو قتل کر ڈالا، اور جس نے ایک شخص کو بچایا تو گویا اُس نے سارے آدمیوں کو بچالیا۔ اور ہمارے پیغمبر ان کے پاس کھلے ہوئے احکام لے کر آئے، اس کے باوجود ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتیاں کرتے ہیں۔

آدم اور حوا سے انسان کی نسل شروع ہوئی۔ تو والد و تناصل کے نتیجے میں انسان کی آبادی بڑھتی رہی۔ دھیرے دھیرے انسان زمین کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے انبیاء کے ذریعے ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ ہر مقام پر اور ہر گروہ میں مسلسل انبیاء آتے رہے۔ انہوں نے پر امن جدوجہد کے ذریعے لوگوں کو خدا کا پیغام پہنچایا۔

توحید اور امن

اس پیغام نبوت کے دو خاص اجزاء تھے۔ توحید، اور امن۔ خدا کی نسبت سے، انسان سے یہ مطلوب تھا کہ وہ ایک اللہ کو اپنا اللہ (معبود) بنائے اور اُس کی عبادت کرے، وہ اللہ کے حکموم کے مطابق، دنیا میں زندگی گزارے۔ یہ بات پورے قرآن میں پھیلی ہوئی ہے، خاص طور پر سورہ الاعراف (7:85-89) اور سورہ الشتراء (180:105-106) میں اس کو دیکھا جاسکتا ہے۔

خدا کی طرف سے آئے والی پیغمبرانہ ہدایت کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ انسان اس دنیا میں دوسروں کے درمیان امن کے ساتھ زندگی گزارے۔ خدا کے نزدیک، امن کا تصور کیا ہے،

وہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں فطرت کے نقشے کے مطابق رہے۔ خالق نے فطرت کا جو نظام بنایا ہے، وہ اس میں کوئی بگاڑ پیدا نہ کرے۔ یہ حکم قرآن میں ان الفاظ میں دیا گیا ہے: قد جائتم کم بینة من ربکم، فاؤفوا الكيل والميزان، ولا تبخسوا الناس أشياءهم، ولا تفسدوا في الأرض بعد إصلاحها (7: 85) یعنی تمہارے پاس تمہارے رب کے پاس سے کھلی ہوئی دلیل آچکی ہے، تو تم ناپ اور تول پوری کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دو اور زمین میں فساد نہ ڈالو، اس کی اصلاح کے بعد۔

امن (peace) ہر قسم کی تعمیری سرگرمیوں کے لیے لازمی طور پر ضروری ہے۔ امن کیا ہے، امن دراصل کوئی قائم کرنے کی چیز نہیں۔ فطرت کا نظام تمام تر امن ہی پر مبنی ہے۔ خالق نے جو دنیا بنائی ہے، اس میں خود تخلیقی نظام کے تحت، امن کی حالت قائم ہے۔ انسان سے یہ مطلوب ہے کہ وہ امن کی اس فطری حالت کو برقرار رکھے۔ انسان اگر فطرت کے اس نظام کو برقرار رکھے تو اس کا نام اصلاح ہے، اور انسان اگر فطرت کے اس نظام میں خلل ڈالے تو اس کا نام فساد ہے۔

قرآن میں وارننگ کے طور پر بتایا گیا ہے کہ انسان اگر فطرت کے نظام میں خلل ڈالے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ دنیا کا ہر حصہ آسودگی (pollution) سے بھر جائے گا۔ ہوا کی آسودگی (air pollution) اور آبی آسودگی (water pollution) جیسی چیزوں کے ذریعے دنیا انسان کے لیے رہنے کے قابل نہیں رہے گی۔ انسانی عمل کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اس فساد کے خلاف یہ انتہا (warning) قرآن کی حسب ذیل آیت میں موجود ہے: ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت أيدي الناس، ليذيقهم بعض الذى عملوا، لعلهم يرجعون (30: 41) یعنی خشی اور تری میں فساد پھیل گیا لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے، تاکہ اللہ مرا پچھائے اُن کو ان کے بعض اعمال کا، شاید وہ بازاً نہیں۔

پچھلی تاریخ میں آنے والے تمام پیغمبروں نے انسانی نسلوں کو ان دونوں حقیقتوں (توحید اور امن) کی طرف متوجہ کیا، مگر عجیب بات ہے کہ انسان پیغمبروں کو اپنا رہنمائیہ بناسکا۔ اس نے پیغمبروں کو حقیر سمجھ کر اُن کو نظر انداز کر دیا۔ اس تاریخی واقعے کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ اس نوعیت کی ایک قرآنی آیت

یہ ہے: بِسْرَةٌ عَلَى الْعَبَادِ، مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (36: 30) لیعنی
افسوس ہے بندوں کے اوپر، جو رسول بھی ان کے پاس آیا، وہ اس کامداق ہی اڑاتے رہے۔
تو حید اور امن سے انحراف

تو حید کے معاملے میں انسان نے یہ انحراف کیا کہ اُس نے خالق کے بجائے مخلوق کی پرستش شروع کر دی۔ مخلوقات میں جو چیز بھی نمایاں نظر آئی، مثلاً سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، سمندر، وغیرہ ہر چیز انسان کے لیے پرستش کا موضوع بن گئے۔ اس معاملے کو مذاہب کی تاریخ میں فطرت کی پرستش (nature worship) کہا جاتا ہے۔ مظاہر فطرت میں چوں کے تعدد (diversity) تھا، اس لیے لوگوں کے معبد بھی متعدد ہو گئے۔ اسی تعددِ الٰہ کے تصور کو قرآن میں شرک کہا گیا ہے۔

اسی قسم کا انحراف امن کے معاملے میں پیش آیا۔ انسان اپنے مقصد کو پر امن جدوجہد کے بجائے، پُر تشدد جدوجہد کے ذریعے حاصل کرنے لگا۔ اس طرح پوری تاریخ جنگ اور تکراؤ کی تاریخ بن گئی۔ قائمی سرداروں کے درمیان جنگ، راجاؤں کے درمیان جنگ، بادشاہوں کے درمیان جنگ، وغیرہ۔ فطرت کے نظام میں یہ انحراف حضرت نوح کے زمانے میں شروع ہوا۔ وہ مسلسل جاری رہا، یہاں تک کہ حضرت ابراہیم کا زمانہ آگیا۔

نیا منصوبہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک نیا منصوبہ بنایا۔ اس منصوبے کا خلاصہ یہ تھا کہ نظریاتی طور پر انسان کے لیے تو حید اور امن ہی واحد آپشن (option) کے طور پر باقی رہے۔ تو حید اور امن کے سوا دوسرے آپشن کے لیے کوئی نظریاتی جواز (ideological justification) باتی نہ رہے۔ موجودہ امتحان کی دنیا میں انسان کی آزادی کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا تھا، البتہ یہ ممکن تھا کہ ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ انسان کے لیے اس معاملے میں نظریاتی جواز باقی نہ رہے۔

میں منصوبہ مجرا تی طور پر اچانک ظہور میں نہیں آسکتا تھا، اس عالمِ امتحان میں یہی ممکن تھا کہ اس منصوبے کو اسباب کے ماحول کے تحت ظہور میں لا یا جائے۔ چنانچہ اسیسا ہی کیا گیا۔ اس منصوبے کے آخری مرحلے کا ذکر

قرآن میں ان الفاظ میں کیا گیا ہے: وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونُ الدِّينُ كَلَّهُ لِلَّهِ (8:39)
یعنی اُن سے جنگ کرو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سب کا سب اللہ کے لیے ہو جائے۔

قرآن کی اس آیت میں جس واقعے کا ذکر کیا گیا ہے، وہ کوئی سیاسی واقعہ نہیں ہے، وہ تمام تر ایک نظریاتی واقعہ ہے۔ اس میں اُس خدائی منصوبے کا ذکر ہے جس کا آغاز ہاجرہ اور اسماعیل سے ہوا اور اصحاب رسول پر اس کا ایک مرحلہ مکمل ہوا۔ اس منصوبے کے نتیجے میں تاریخ میں یا انقلابی واقعہ پیش آیا کہ انسان کے لیے نظریاتی اعتبار سے، شرک کا آپشن ختم ہو گیا۔ اسی طرح نظریاتی اعتبار سے، انسان کے لیے جنگ کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔

چار ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم عراق کے قدیم شہر اور (Ur) میں پیدا ہوئے۔ وہاں انھوں نے اپنی معاصر قوم کے درمیان اپنا دعوتی مشن جاری کیا۔ لیکن آپ کی قوم کی کندیشناگ اتنی زیادہ پختہ ہو چکی تھی کہ وہ آپ کے پیغام کو مانے کے لیے تیار نہیں ہوئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے ایک نیا منصوبہ شروع کیا۔ اس منصوبے کا آغاز اس طرح ہوا کہ آپ اپنی اہلیہ ہاجرہ اور اپنے چھوٹے بیٹے اسماعیل کو عرب کے صحرائیں لے گئے اور وہاں انھیں اس غیر آباد ماحول میں بسادیا۔

اس خصوصی منصوبے کے ذریعے عرب میں ایک نئی نسل پیدا ہوئی۔ اسی نسل میں 570 عیسیٰ میں پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اسی نسل میں سے وہ لوگ پیدا ہوئے جن کو اصحاب رسول کہا جاتا ہے۔ رسول اور اصحاب رسول کی خصوصی جدوجہد کے ذریعے ساتویں صدی عیسیٰ میں عرب میں ایک انقلاب برپا ہوا۔ اس انقلاب کے ذریعے تاریخ میں ایک نیا پر اس کے جاری ہوا جو بیسویں صدی عیسیٰ میں اپنی آخری تکمیل کو پہنچا۔

اسی تاریخی پر اس (historical process) کے وہ نتائج ہیں جن کو ہم موجودہ زمانے میں دیکھتے ہیں۔ مثلاً انسانی مساوات، مذہبی جبر کا خاتمه، جمہوریت اور سائنسی انقلاب جس کے نتیجے میں پرنٹنگ پر لیں اور جدید کمپیوٹر کی نیشن کا دور دنیا میں آیا۔ اس کے علاوہ، فطرت (nature) کے نئے خفائق دریافت ہوئے جو دین توحید کے لیے تصدیق کی حیثیت رکھتے تھے۔

نظریاتی جواز کا خاتمه

اس جدید انقلاب کے نتیجے میں جو موافق باتیں پیدا ہوئیں، ان میں سے دو خاص چیزیں یہ تھیں کہ نظریاتی طور پر توحید اور امن کے سوا کوئی اور انتخاب انسان کے لیے باقی نہ رہا۔ سائنسی دریافت (scientific discoveries) کے نتیجے میں ایک طرف یہ ہوا کہ توحید اب ایک ثابت شدہ علمی حقیقت بن گئی۔ اب کوئی شخص اس امتحان کی دنیا میں اپنی آزادی کا غلط استعمال کر کے توحید سے انحراف کر سکتا ہے، لیکن خالص اصولی اعتبار سے اس کے لیے اپنے انحراف کا کوئی نظریاتی جواز موجود نہ ہوگا۔ (ideological justification)

یہی معاملہ امن کے اصول کا ہے، جو کہ صحت مند سماجی تغیر کے لیے لازمی طور پر ضروری ہے۔ قدیم زمانے میں ہزاروں سال سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ مسلح طاقت ہی اصل طاقت ہے۔ کوئی بڑا مقصد صرف مسلح طاقت کے ذریعے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جدید انقلاب کے ذریعے یہ قدیم مفروضہ یکسر بدلتا ہے۔ اس تبدیلی کے دو خاص پہلو ہیں۔ ایک، یہ کہ موجودہ زمانے میں جدید حالات کے نتیجے میں ایک نئی چیز ظاہر ہوئی ہے جس کو ایک لفظ میں موقع کا انفجار (opportunity explosion) کہا جاسکتا ہے۔ ان موقع کو استعمال کر کے آج ہر مقصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اب کسی بڑے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جنگ یا سیاسی طاقت کی قطعاً ضرورت نہیں۔ قدیم زمانے میں سیاسی ایمپائر (political empire) ہوا کرتے تھے، آج اُس سے بھی زیادہ بڑے پیمانے پر غیر سیاسی ایمپائر (non-political empire) بنا ناممکن ہو گیا ہے۔

دوسری چیز وہ ہے جس کو عمومی تحریک کے تھیار (weapons of mass destruction) کہا جاتا ہے۔ ان نئے تھیاروں کے ظہور میں آنے کے بعد اب جنگ انسان کے لیے سرے سے کوئی آپشن ہی نہ رہا۔ اب جنگ کا مطلب صرف بتاہی ہے۔ اب کوئی بھی ثبت نتیجہ جنگ کے ذریعے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح امن اب انسان کے لیے واحد آپشن (option) بن گیا۔ اب انسان کے لیے جو آپشن ہے، وہ امن اور جنگ کے درمیان نہیں ہے، بلکہ وہ امن اور بتاہی کے درمیان ہے۔

آج کے انسان کو یا تو اُن کا طریقہ اختیار کرنا ہے یا اپنے آپ کو بنا ہی کے حوالے کر دینا ہے۔
 اس طرح اب تاریخ انسانی کا سفر اس مقام پر پہنچ گیا ہے جس کی طرف قرآن کی مذکورہ آیت
 (وقاتلواهم حتی لا تكون فتنة، ويكون الدين كله لله) میں اشارہ کیا گیا تھا۔ تاریخ میں یہ
 انقلاب اتفاقی طور پر پیش نہیں آیا، وہ براہ راست خدا کی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ خدا نے تاریخی عمل
 کیا کہ وہ ایک ایسے انجام تک پہنچ جو
 دعوتِ حق کے کام کے لیے آخری حد تک موافق ہو۔

تاریخ کائنات کا پہلا دور

کائنات کو اس کے خالق نے ایک مقصد کائنات کے طور پر پیدا کیا ہے۔ اس مقصد کی تکمیل
 ایک تدریجی اصول پر قائم ہے۔ اس لحاظ سے، یہ کہا جاسکتا ہے کہ کائنات کی ابتدائی تاریخ 6 بڑے ادوار
 (periods) پر منی ہے۔ یہ 6 ادوار حسب ذیل ہیں:

1 - بگ بینگ (Big Bang) 2 - لٹل بینگ (Little Bang)

3 - والر بینگ (Water Bang) 4 - پلانٹ بینگ (Plant Bang)

5 - انیمل بینگ (Animal Bang) 6 - ہیومن بینگ (Human Bang)

سائنسی مطالعے کے مطابق، تقریباً 15 بلین سال پہلے خلا (space) میں ایک عظیم دھما کا ہوا
 جس کو بگ بینگ کہا جاتا ہے۔ اُس وقت کائنات کے تمام اجزا (particles) ایک سپر ایٹم کے اندر رجع
 تھے۔ اس سپر ایٹم (super atom) میں دھما کا ہوا، اس کے بعد اس کے مادی اجزاء اُسی خلا میں پھیل
 گئے۔ پھر یہ مادی اجزاء مختلف اجسام کی صورت میں جمع ہوئے اور وہ مادی دنیا وجود میں آئی جس کو
 ستارے (stars) اور سیارے (planets) کہا جاتا ہے۔

غالباً ایک بلین سال پہلے ایک ستارہ (star) میں لٹل بینگ (Little Bang) کا واقعہ
 ہوا۔ اُس کے بعد اس ستارے کے مختلف لکڑے ہو گئے۔ اس کے بعد خلا (space) میں وہ مجموعہ
 بنا جس کو سماںی نظام (Solar System) کہا جاتا ہے۔ یہ سماںی نظام ہماری قریبی کہکشاں

(Milky Way) کے کنارے واقع ہے۔

اس کے بعد واٹر بینگ (Water Bang) ہوا، یعنی فضا میں موجود دو گیس (ہائڈروجن اور آئسیجن) کے ملنے سے پانی وجود میں آیا۔ یہ پانی لمبے عرصے تک بارش کی صورت میں زمین پر برستا رہا۔ پھر وہ گہرے سمندروں میں ذخیرہ (reservoir) کی صورت میں جمع ہو گیا۔ اس کے بعد پلانٹ بینگ (Plant Bang) ہوا، یعنی زمین کی سطح پر سبزہ اور درخت وجود میں آئے۔ سمندروں کے سواز میں کی پوری سطح جوز میں کے تقریباً چوتھائی حصے پر مشتمل ہے، وہ سبزہ سے ڈھک گئی۔ اس کے بعد انیمل بینگ (Animal Bang) ہوا اور مختلف قسم کے حیوانات وجود میں آئے۔ سمندروں میں مچھلیاں اور خفکی پر چرند و پرند بڑی تعداد میں پیدا ہو گئے۔ اس کے بعد ہیون بینگ (Human Bang) ہوا۔ خالق نے انسان کو پیدا کر کے اُس کو زمین پر آباد کیا۔ یہاں سے سیارہ زمین کی ایک نئی تاریخ شروع ہوئی۔ اس تاریخ کو دوسرے الفاظ میں، تہذیب کی تاریخ (history of civilization) کہا جاتا ہے۔

انسان کے سوا جو کائنات ہے، وہ سب کی سب قانون فطرت (law of nature) کے تحت کام کرتی ہے۔ ہر چیز کی سرگرمیوں کے لیے خالق نے ایک نظام مقرر کر دیا ہے۔ اس نظام کے تحت تمام چیزیں اپنا کردار (role) ادا کرتی ہیں۔ مگر انسان کا معاملہ ایک استثنائی معاملہ ہے۔ انسان کو اُس کے خالق نے کامل آزادی (complete freedom) عطا کی ہے۔ انسان کو اختیار ہے کہ وہ اپنی آزادی کا صحیح استعمال کرے یا غلط استعمال۔ آزادی کے اسی صحیح یا غلط استعمال کی بنیاد پر انسان کے ابدی مستقبل کا فیصلہ ہونے والا ہے۔

ہدایت کا انتظام

یہی وہ مصلحت ہے جس کی بنا پر انسان کے لیے ہدایت کا خصوصی انتظام کیا گیا۔ انسانوں کی ہر نسل کے درمیان خدا نے اپنے پیغمبر بھیجے۔ ان پیغمبروں نے انسان کو بتایا کہ انسان کے لیے اس دنیا میں صحیح روشن کیا ہے اور غلط روشن کیا۔ پیغمبر نے بتایا کہ موت سے پہلے کی زندگی انسان کے لیے امتحان کی زندگی ہے۔ موت کے بعد انسان کی ابدی زندگی (eternal life) شروع ہو گی، جہاں وہ اپنے عمل

کے مطابق، یا تو انعام پائے گایا وہ سزا کا مستحق تھا ہرے گا۔ پیغمبروں کی آمد کا یہ سلسلہ ہزاروں سال تک جاری رہا۔ مگر عملاً صرف یہ ہوا کہ یہ تمام پیغمبر صرف انفرادی اعلان (announcement) کے درجے میں اپنا کام کر سکے، اُن کا مشن اجتماعی انقلاب کے درجے تک نہیں پہنچا۔

اجتماعی انقلاب کا دور

اس کے بعد تقریباً چار ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم کے ذریعے عرب کے صحرائیں ایک نئی نسل تیار کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ تقریباً ڈھائی ہزار سال کے عرصے میں یہ نسل بن کر تیار ہوئی۔ اس نسل کو تاریخ میں بنو اسماعیل (Ishmaelites) کہا جاتا ہے۔ اسی نسل میں پیغمبر اسلام محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب پیدا ہوئے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی کوششوں کے ذریعہ گروہ گروہ بن کر تیار ہوا جس کو اصحاب رسول کہا جاتا ہے۔ اصحاب رسول کی غیر معمولی کوششوں کے ذریعے تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ دعوتِ نبوت، اعلان سے آگے بڑھ کر اجتماعی انقلاب تک پہنچ گئی۔ یہاں اس سلسلے کی چند مثالیں دی جاتی ہیں۔ ان مثالوں کے ذریعے یہ واضح ہو سکے گا کہ دعوتِ نبوت کا اعلان سے بڑھ کر اجتماعی انقلاب تک پہنچ جانے کا مطلب کیا ہے۔

1- قرآن کی سورہ الانفال میں یہ آیت آئی ہے: وَقَاتَلُوْهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ، وَيَكُونُ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (8:39)۔ یہ آیت مدنی دور میں اتری۔ قرآن کی اس آیت میں ایک آنے والے مستقبل کی خبر دی گئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اصحاب رسول کی جدوجہد سے دنیا میں ایک نیا تاریخی عمل (historical process) جاری ہو گا۔ اس پر اس کی تکمیل یہ ہو گی کہ دین سب کا سب اللہ کے لئے ہو جائے۔ اس سے مراد دین کی سیاسی حکومت (political rule) نہیں ہے، بلکہ دین کا نظریاتی (ideological) غلبہ ہے، یعنی دین خداوندی کے سوا ہر دین کا غیر مدل ہو جانا، دین خداوندی کے سوا ہر دین کا نظریاتی جواز (ideological justification) سے محروم ہو جانا۔

یہ واقعہ موجودہ زمانے میں مکمل طور پر پیش آچکا ہے۔ موجودہ دنیا دار الامتحان ہے، اس لیے یہاں قیامت سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ لوگوں سے ان کی آزادی چھین لی جائے۔ آزادی کے

غلط استعمال کا موقع آدمی کے لیے پہلے بھی تھا اور وہ آج بھی باقی ہے۔ لیکن جہاں تک نظریاتی جواز (ideological justification) کی بات ہے، وہ دین خداوندی کے سوا کسی اور دین کے لیے باقی نہیں رہے گا۔ اس انقلابی عمل کا آغاز ساتویں صدی عیسوی میں اصحاب رسول کے ذریعے ہوا اور میسویں صدی کے آخر میں یہ عمل اپنے اختتام تک پہنچ گیا۔ اب ہم اکیسویں صدی میں ہیں۔ اکیسویں صدی میں جو کام کرنا ہے، وہ صرف یہ ہے کہ پیدا شدہ موقع کو بھر پور طور پر دعوت حق کے لیے استعمال کیا جائے۔

2- قرآن کی سورہ البقرہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب (companions) کی طرف سے یہ دعا منقول ہوئی ہے: ربنا، ولا تحمل علينا إصرًا كما حملته على الذين من قبلنا (2:286) یعنی اے ہمارے رب، تو ہم پر بوجہ نہ ڈال جیسا بوجہ تو نے ڈالا تھا ہم سے الگوں پر۔

اس دعا میں ”ہم“ سے مراد صرف اصحابِ محمد نہیں ہیں، تو سیعی معنوں میں یہ دعا پوری امتِ محمد کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس دعا میں اللہ تعالیٰ سے جو چیز مانگی گئی ہے، وہ یقیناً پوری ہوئی، لیکن یہ اُسی وقت ساتویں صدی میں پوری نہیں ہوئی، بلکہ وہ ایک پراس (process) کے طور پر انسانی تاریخ میں جاری ہوئی اور وہ بیسویں صدی کے آخر میں پہنچ کر مکمل ہوئی۔

اب اکیسویں صدی میں حالات مکمل طور پر بدلتے ہیں۔ آج کے داعیانِ حق کو دعوتِ الٰی اللہ کے راستے میں نہ وہ مسائل (problems) پیش آئیں گے جو صحابہ سے پہلے کے داعیوں کو پیش آئے تھے اور نہ اُن کو ان مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا جو اصحاب رسول کے زمانے میں پائے جاتے تھے۔ اب ضرورت ہے کہ آج کے داعی، تاریخ کی اس تبدیلی کو سمجھیں اور اس کو دعوت کے لیے استعمال کریں۔ موجودہ زمانے میں دعوتِ حق کے لیے تمام رکاوٹیں کلی طور پر ختم ہو چکی ہیں۔ اب اگر کسی داعی کے لیے رکاوٹ پیدا ہو تو وہ یقینی طور پر اس کی اپنی کسی غلط پالیسی کا نتیجہ ہو گی، وہ ہرگز حالات کے تحت پیش آنے والی رکاوٹ نہیں ہو سکتی۔

3- قرآن کی سورہ حم السجدہ میں مستقبل کے اعتبار سے، ایک پیشین گوئی ان الفاظ میں آتی ہے: سنریهم ایاتنا فی الافق و فی أنفسهم حتیٰ یتبین لهم أنه الحق (41: 53) یعنی عن

قریب ہم اُن کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے، آفاق میں بھی اور خود اُن کے اندر بھی، یہاں تک کہ اُن پر یہ امر پوری طرح ظاہر ہو جائے گا کہ یہ قرآن حق ہے۔

قرآن کی اس آیت میں دراصل اُس عمل کا ذکر ہے جو صلیبی جنگوں (crusades) کے بعد شروع ہوا۔ صلیبی جنگوں کے بعد یورپ میں وہ علمی واقعہ پیش آیا جس کو تاریخ میں اسپر پچوں کرو سیڈس (spiritual crusades) کہا جاتا ہے۔ اس اسپر پچوں کرو سیڈ کے بعد یورپ کے تمام بڑے بڑے دماغ سائنسی تحقیق میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے فطرت کے پوشیدہ رازوں کو دریافت کیا۔ بیسویں صدی میں یہ عمل اپنے اختتام کو پہنچ چکا ہے۔ اب آفاقِ نفس کے وہ تمام چھپے ہوئے حقائق علمی طور پر ایک معلوم واقعہ بن چکے ہیں جو قرآن کے الفاظ میں تبیینِ حق کے لیے ضروری تھے۔ ایکسویں صدی کے داعیوں کا کام یہ ہے کہ وہ ان سائنسی حقائق کو جانیں اور اُن کو دعوتِ حق کے لیے استعمال کریں۔ یہ سائنسی حقائق دعوت کو مسلمہ علمی سطح پر مدل کرنے والے ہیں۔

4- قرآن کی سورہ الحج میں بتایا گیا ہے کہ چار ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم نے کعبہ کی تعمیر کی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم نے ایک اعلانِ عام کیا۔ اس کا ذکر قرآن کے ان الفاظ میں آیا ہے: وَأَذْنَ فِي النَّاسِ بِالْحَجَّ يَأْتُوكَ رَجَالًاً وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَاتِينَ مِنْ كُلِّ فَجَّ عَمِيقٍ (22:27) یعنی تم لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ لوگ تمہارے پاس آئیں گے پیل بھی اور لا غراؤ نہیں پر بھی، جو پہنچیں گی دور دراز گہرے پہاڑی راستوں سے۔

قرآن کی اس آیت کا براہ راست تعلق حج کے سفر سے ہے۔ لیکن تو سیمعی طور پر اُس میں یہ مفہوم شامل ہے کہ تدریجی عمل کے تحت ایک وقت آئے گا جب کہ لوگ دور دور سے سفر کر کے مکہ پہنچیں، یہاں تک کہ مکہ عالمی سفر کا مرکز بن جائے۔

قرآن کی اس آیت میں اشاراتی طور پر یہ بات موجود ہے کہ ایک وقت آئے گا جب کہ سفر بہت زیادہ بڑھ جائے گا۔ موجودہ زمانے میں جدید مواصلات (modern communication) کی ایجاد نے اس پیشین گوئی کو واقعہ بنادیا ہے۔ عالمی آمد و رفت اتنی بڑھی ہے کہ یہ کہا جاتا ہے کہ ساری دنیا

ایک گلوبل ولیج (global village) بن گئی ہے۔ موجودہ زمانے میں سیاحت (tourism) نے اتنی ترقی کی ہے کہ اب ایک مستقل ٹورسٹ انڈسٹری (tourist industry) وجود میں آگئی ہے۔ سیاحت اور تجارت، غیرہ کے تحت روزانہ لوگ کروروں کی تعداد میں ادھر سے ادھر جاتے ہیں۔ اس واقعہ نے موجودہ زمانے میں دعوت کا ایک نیا موقع کھول دیا ہے۔ اب دعوتی موقع روزمرہ کی زندگی میں شامل ہو گیا ہے۔ اس کے نتیج میں یہ ہو رہا ہے کہ ہر روز کشیر تعداد میں دائی، مدعا کے علاقے میں جاتا ہے اور مدعا، دائی کے علاقے میں آتا ہے۔ اس صورتِ حال نے دعوت کے نئے عالمی موقع کھول دئے ہیں۔ اب ضرورت ہے کہ اہل ایمان ان نئے موقع کو دریافت کریں اور ان کو دعوت کے حق میں استعمال کریں۔

5۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے 610 عیسوی میں مکہ میں اپنا دعوتی مشن شروع کیا۔ یہ زمانہ مذہبی جبر (religious persecution) کا زمانہ تھا۔ اُس زمانے میں کچھ لوگ جو آپ کے اوپر ایمان لائے، ان کو وہاں مشرکین ستانے لگے۔ وہ ان کو جسمانی اذیت پہنچاتے تھے۔

اُس وقت کچھ اہل ایمان نے پیغمبر اسلام سے اس صورتِ حال کی شکایت کی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ان حالات کو ہمارے لیے ختم کر دے۔ اُس وقت رسول اللہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ یہ سن کر آپ بیٹھ گئے اور فرمایا کہ تم سے پہلے یہ حال تھا کہ ایک مومن کے جسم پر لو ہے کی لگنگھی کی جاتی تھی، اور اس کے سر پر آرا چلا یا جاتا تھا، مگر اس قسم کی اذیت کے باوجود وہ اپنے دین پر قائم رہتا تھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: وَاللَّهُ لِيَتَمَنَّ هَذَا الْأَمْرُ حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صنَاعَ إِلَى حَضْرَتِ مَوْتٍ، وَلَا يَخَافُ إِلَّا اللَّهُ (صحیح البخاری، کتاب الأنبياء، باب من اختار الضرب والقتل، رقم الحديث: 6943) یعنی خدا کی قسم، یہ امر (اسلام) ضرور اپنی تکمیل تک پہنچ کا، یہاں تک کہ یہ حال ہو گا کہ ایک شخص سوار ہو کر صنعت سے حضرت موت تک جائے گا اور اس کو اللہ کے سوا کسی اور چیز کا ڈرنہ ہو گا۔

اس حدیث میں صرف ایک زمانی واقعہ کو نہیں بتایا گیا ہے، بلکہ وہ مستقبل کے بارے میں

ایک پیشین گوئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بعد جو انقلاب آیا، اُس سے انسانی تاریخ میں ایک نیا عمل (process) شروع ہو گا جو آخر کار بیان تک پہنچ گا کہ دنیا میں مذہبی جر کا دور ختم ہو جائے گا اور دنیا میں مذہبی آزادی کا دور شروع ہو جائے گا۔

ایکسویں صدی میں یہ پیغمبرانہ پیشین گوئی آخری حد تک واقعہ بن چکی ہے۔ اب ضرورت ہے کہ آج کے داعی اس زمانی حقیقت کو دریافت کریں اور پھر جدید مواقف کو استعمال کرتے ہوئے وہ اس کے مطابق، دعوتِ حق کے کام کی منصوبہ بندی کریں۔

6 - ایک حدیث میں بتایا گیا ہے کہ بعد کے زمانے میں توحید کا پیغام دنیا کے ہر گھر میں پہنچ جائے گا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں: لا يبقى على ظهر الأرض بيتٌ مدرِّ ولا وبرٌ إلا أدخله الله كلامة الإسلام (مسند احمد، رقم الحديث: 23814) یعنی زمین کی سطح پر کوئی خیمه یا گھر نہیں بچ گا، بلکہ اللہ اس خیمه یا گھر کے اندر اسلام کا کلمہ داخل کر دے گا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ دراصل مستقبل کے بارے میں ایک پیشین گوئی ہیں۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ آئندہ انسانی تاریخ میں ایسی تبدیلیاں واقع ہوں گی، جب کہ یہ ممکن ہو جائے گا کہ اسلام کی دعوت ہر انسان تک پہنچ جائے، ہر چھوٹے یا بڑے گھر میں اسلام کا پیغام داخل ہو جائے۔

اس قسم کا عالمی ادخال کلمہ پر اسرار طور پر نہیں ہو گا، بلکہ وہ معلوم اسباب کے تحت واقع ہو گا۔ موجودہ زمانے میں یہ تمام اسباب مکمل طور پر واقعہ بن چکے ہیں۔ آج وہ تمام مواقف (opportunities) کھل چکے ہیں، جب کہ پیغمبر اسلام کی پیشین گوئی کے مطابق، دعوتِ حق کے کام کو عالمی سطح (global level) پر ممکن بنایا جاسکے۔

ضرورت ہے کہ آج کے اہل ایمان ان امکانات کو دریافت کریں۔ موجودہ زمانے کے اہل ایمان کی نسل گویا کہ ان تبدیلیوں کی وارث ہے۔ اُس پر فرض کے درجے میں یہ ضروری ہے کہ وہ شعوری طور پر ان تبدیلیوں کو جانیں اور ان کو استعمال کرتے ہوئے مذکورہ حدیث کی پیشین گوئی کو واقعہ بنائیں۔

7 - دجال کے ظہور کے ذیل میں ایک روایت حدیث کی کتابوں میں آئی ہے۔ اس میں

بتایا گیا ہے کہ دجال جب ظاہر ہوگا تو اُس وقت اہل ایمان کی جماعت میں سے ایک شخص اُس کے مقابلے کے لیے نکلے گا۔ اس رجلِ مومن کے پاس تواریا اور کوئی اسلام نہیں ہوگا، لیکن اللہ کی توفیق سے وہ اس مقابلے میں جنت اور برہان کے ذریعے دجال پر غالب آجائے گا۔ اس کے بعد حدیث کے لفاظ یہ ہیں: **هذا أعظم الناس شهادة عند رب العالمين** (صحیح مسلم، کتاب الفتن) یعنی یہ اللہ رب العالمین کے نزدیک تاریخ کی سب سے بڑی گواہی ہوگی۔

یہ کوئی سادہ واقعہ نہیں، اور نہ وہ کوئی پراسرار واقعہ ہے۔ یہ دراصل اُس لمحے تاریخی عمل کے نقطہ انتہا (culmination) کو بتاتا ہے، جس کے نتیجے میں کسی رجلِ مومن کو یہ موقع ملے گا کہ وہ ہتھیار استعمال کے بغیر صرف دلیل کی طاقت سے دجالی فتنہ (عظمیم ترین شیطانی فتنہ) کا خاتمه کر دے۔ اس قسم کا دعوتی موقع چوں کہ پہلی بار وجود میں آئے گا، اس لیے اُس کو حدیث میں عظیم ترین شہادت (greatest witness) کا نام دیا گیا ہے۔

یہ عظیم دعوتی موقع اکیسویں صدی عیسوی میں پوری طرح ظہور میں آچکا ہے۔ آج کے اہل ایمان پر فرض کے درجے میں ضروری ہے کہ وہ ان جدید امکانات کو دریافت کریں اور پہلے من منصوبہ کے ذریعے اُس کو استعمال کرتے ہوئے وہ عظیم دعوتی رول انعام دیں جس کا آج کی تاریخ کو انتظار ہے۔

8۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی ان الفاظ میں آئی ہے: **إذ هلك قيسر فلا قيسر بعده، وإذا هلك كسرى فلا كسرى بعده** (صحیح مسلم، کتاب الفتن، رقم الحدیث: 7511) یعنی جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا۔ اور جب کسری ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسری نہ ہوگا۔

اس حدیث رسول میں جو بات کوئی ہے، اُس کا تعلق ایک بادشاہ کے خاتمے سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ایک دور کے خاتمہ سے ہے۔ اس حدیث میں دراصل یہ پیشین گوئی کی گئی ہے کہ اسلامی انقلاب کے بعد دنیا کی سیاسی تاریخ میں ایک نیا عمل شروع ہوگا جو آخر کار یہاں تک پہنچے گا کہ دنیا میں شخصی حکمرانی (dynasty) کا دور ختم ہو جائے گا اور عوامی حکمرانی (democracy) کا دور آجائے گا۔

اسی طرح ایک اور حدیث رسول میں یہ پیشین گوئی کی گئی ہے کہ—ابل ایمان پیش قدی کرتے ہوئے ایک شہر تک پہنچیں گے۔ وہ نہ کسی ہتھیار سے جنگ کریں گے اور نہ وہ تیر چلا میں گے۔ وہ صرف لا إله إلا الله، والله أكبر کہیں گے اور شہر کی دیواریں گرجائیں گی، بیہاں تک کہ وہ اس کے اندر داخل ہو جائیں گے (صحیح مسلم، کتاب الفتن)

ان روایات میں مستقبل کے بارے میں ایک پیشین گوئی کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تاریخ انسانی میں ایک نیا عمل (process) جاری ہو گا۔ اس عمل کا نقطہ انتہا یہ ہو گا کہ دنیا سے مطلق العنوان با دشہت (dictatorship) کا دور ختم ہو جائے گا، یعنی وہ دور ختم ہو جائے گا جب کہ سیاسی طاقت ہی اصل طاقت ہوا کرتی تھی۔ اس کے بعد وہ حالات پیدا ہوں گے جب کہ نظریہ (ideology) کو طاقت کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔ پر امن فکری جدوجہد کے ذریعے اُن مقاصد کو حاصل کرنا ممکن ہو جائے گا جن کو پہلے صرف سیاسی طاقت کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا تھا۔

یہ انقلابی دور اب دنیا میں پوری طرح آچکا ہے۔ موجودہ زمانے میں ایک طرف طاقت کا ڈی سنٹرالائزیشن (de-centralization of power) پوری طرح واقعہ بن چکا ہے۔ آج وہ دور ختم ہو چکا ہے جب کہ طاقت صرف ایک سیاسی حاکم کے پاس ہوا کرتی تھی۔ اب ہر انسان کو یہ موقع ہے کہ وہ سیاسی عہدہ (political seat) پر قابض نہ ہوتے ہوئے بھی جس مقصد کے لیے چاہے کام کرے۔ وہ ہتھیار کا استعمال کرنے بغیر صرف امن کی طاقت سے اپنے مطلوب کو حاصل کر سکے۔

اسی طرح یہ پیشین گوئی بھی موجودہ زمانے میں پوری طرح ایک واقعہ بن چکی ہے کہ لا إله إلا الله والله أكبر کامشن لے کر اٹھنے والے لوگ کسی قسم کا مسلح ٹکڑا اور کئے بغیر شہروں میں نفوذ کریں اور لوگوں کے دلوں میں داخل ہو جائیں۔ حدیث رسول کی اس پیشین گوئی کو دوسرے الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔—دورِ شمشیر کا خاتمه، دورِ دعوت کا آغاز۔

اکیسویں صدی میں اب ابل ایمان کا کام یہ ہے کہ وہ اس تاریخی تبدیلی کو دریافت کریں، وہ ان جدید امکانات کو استعمال کر کے دعوت الی اللہ کے کام کو عالمی سطح پر انجام دیں۔ موجودہ زمانے میں

ایک عظیم دعویٰ امکان پیدا ہوا ہے، مگر اس عظیم دعویٰ امکان کو صرف وہی لوگ استعمال کر سکیں گے جو اپنے شعور کے اعتبار سے اُس کے فکری وارث بن سکیں۔

9 - قرآن کی سورہ النساء میں داعیانِ اسلام کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے:

أولئك الذين يعلم الله ما في قلوبهم، فأعرض عنهم وعظهم، وقل لهم في أنفسهم
قولاً بليغاً (4: 63) (یعنی اُن کے دلوں میں جو کچھ ہے، اللہ اُس سے خوب واقف ہے۔ پس تم اُن سے اعراض کرو اور اُن کو نصیحت کرو اور ان سے ایسی بات کہو جو ان کے دلوں میں اتر جائے:

Speak to them in such terms as will address their minds.

قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوت الی اللہ کا حق ادا کرنے کے لیے داعی کو یہ کرنا ہے کہ وہ ایسے اسلوب میں کلام کرے جو مدعو کے مانند کو ایڈر لیں کرنے والا ہو۔ قدیم زمانہ روایتی اسلوب کا زمانہ تھا۔ قدیم زمانے میں روایتی اسلوب بھی مدعو کے مانند کو ایڈر لیں کرنے والا بن سکتا تھا، مگر آج کا دور تعلق کا دور (age of reason) ہے۔ آج کے انسان کا مانند صرف اُس وقت ایڈر لیں ہوتا ہے جب کہ اس کے سامنے کسی بات کو عقلی اسلوب میں بیان کیا جائے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک پہلو ہے کہ جب وہ ایک چیز کا حکم دیتا ہے تو اسی کے ساتھ وہ اُس کے اسباب بھی فراہم کر دیتا ہے۔ اسلامی دعوت، اہل ایمان کی ابدی ذمے داری ہے۔ موجودہ زمانے میں بھی اہل ایمان کو اُسی طرح اپنا دعویٰ فریضہ انجام دینا ہے جس طرح دور قدیم کے اہل ایمان نے اس فریضے کو انجام دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے داعیانِ حق کی اس ضرورت کو سمجھا اور موجودہ زمانے میں عالمی سطح پر وہ فکری تبدیلی پیدا کر دی جس کو استعمال کر کے اسلامی دعوت کو عقلی اسلوب میں پیش کیا جاسکے۔

اسلام کے بعد کے زمانے میں ایک فکری عمل شروع ہوا۔ اکیسویں صدی میں یہ فکری عمل اپنے نقطہ اختتام تک پہنچ چکا ہے۔ اب یہ پوری طرح ممکن ہو گیا ہے کہ اسلام کی دعوت کو اُس اعلیٰ عقلی اسلوب پر پیش کیا جاسکے جو دورِ جدید کے مانند کو ایڈر لیں کرنے والا ہو۔ ضرورت ہے کہ آج کے داعیانِ حق اس حقیقت کو جانیں اور اس کو جدید دور میں دعوتِ حق کے لیے استعمال کریں۔

10- پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی حدیث کی کتابوں میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے: إن الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر (صحیح البخاری، کتاب الجهاد) یعنی اللہ تعالیٰ ضرور اس دین کی تائید فاجر آدمی کے ذریعے کرے گا۔

اس حدیث رسول میں جو پیشین گوئی کی گئی ہے، اس کا تعلق ایک پوری تاریخ سے ہے۔ رسول اور اصحاب رسول کے ذریعے عرب میں جوانقلاب آیا، اس کے بعد تاریخ میں ایک نیا عمل (process) شروع ہوا۔ اس عمل کا نشانہ یہ تھا کہ تاریخ میں ایسی تبدیلیاں پیدا ہوں جس کے بعد اسلامی دعوت کو اس کی اعلیٰ ترین سطح پر انجام دینا ممکن ہو جائے۔ حقائق ربانی کے علمی اظہار کے تمام ممکن ذرائع وجود میں آجائیں، تاکہ دوڑا خر کے اہل ایمان اتمامِ حجت کی سطح پر دعوتِ حق کا کام انجام دے سکیں۔

یہ منصوبہ کوئی معمولی منصوبہ نہ تھا۔ یہ تاریخ کے رخ (cause of history) کو انقلابی طور پر بدل دینے کے ہم معنی تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہزاروں سال سے جاری روایتی دور ختم ہو جائے اور ایک نیا دور شروع ہو۔ یہ وہی دور ہے جس کو عام طور پر سائنسی دور کہا جاتا ہے۔ اس دور کو وجود میں لانا کوئی سادہ بات نہ تھی۔ یہ اتنا بڑا کام تھا جس کو تہبا اہل ایمان انجام نہیں دے سکتے تھے۔ ضرورت تھی کہ اس میں پوری انسانیت شامل ہو، حتیٰ کہ ایسے محرکات پیدا ہوں کہ فاجر (secular) طبقہ بھی اس عمل میں

یکساں طور پر شریک ہو جائے۔ مذکورہ حدیث رسول میں اسی عمومی انسانی عمل کا ذکر کیا گیا ہے۔ موجودہ زمانے میں یہ پیشین گوئی آخری حد تک مکمل ہو چکی ہے۔ لمبے تاریخی عمل کے نتیجے میں وہ تمام اسباب و اقدام بن چکے ہیں جو دعوتِ حق کے لیے تائید کی حیثیت رکھتے تھے۔ اب ضرورت ہے کہ اہل ایمان زمانے کی اس تبدیلی کو سمجھیں اور اس کو دعوتِ حق کے لیے استعمال کر کے دو رجید میں اتمامِ حجت کا وہ مطلوب کام انجام دیں جس کا خدائی منصوبے کے مطابق، قیامت سے پہلے ظہور میں آنا ضروری ہے۔

تاریخ کائنات کا دوسرا دور

تاریخ کائنات کے پہلے 6 دور گویا کہ اس کے ماڈی دور تھے۔ اس کے بعد تاریخ کائنات کا

دوسرے دور شروع ہوا۔ یہ دوسرے دور بھی 6 دوروں پر مشتمل ہے۔ اس دوسرے دور کو تاریخ کا نات کا فکری دور کہا جاسکتا ہے۔ یہ دوسرے 6 دور حسب ذیل ہیں:

- | | | |
|-----------------------|------------------------|-----------------------|
| 1 - پیغمبروں کا دور | 2 - بنو اسماعیل کا دور | 3 - اصحاب رسول کا دور |
| 4 - مسلم تہذیب کا دور | 5 - مغربی تہذیب کا دور | 6 - اخوان رسول کا دور |

پیغمبروں کا دور

پیغمبروں کا دور آدم سے شروع ہوا جو پہلے انسان بھی تھے اور پہلے پیغمبر بھی۔ آدمی کی پیدائش کی تاریخ معلوم نہیں۔ یہ دور آخر کار محمد بن عبد اللہ بن عبدالمطلب پر ختم ہوا، جو آخری پیغمبر کی حیثیت رکھتے۔ قرآن میں صرف 25 پیغمبروں کا ذکر ہے۔ البتہ باہل میں مزید پیغمبروں کا ذکر ہے جن کا تعنیٰ بنی اسرائیل سے تھا۔ تاہم تمام پیغمبروں میں صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اتنا نئی طور پر محفوظ ہیں۔ اب قیامت تک کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین ہی ہدایت الہی کا واحد مستند مأخذ ہے۔ (authentic source) کی حیثیت رکھتا ہے۔

بنو اسماعیل کا دور

بنو اسماعیل کا دور اُس وقت شروع ہوتا ہے جب کہ حضرت ابراہیم نے اپنی اہلیہ ہاجرہ اور اپنے بیٹے اسماعیل کو عرب کے صحرائیں بسا دیا۔ اس کا مقصد عرب میں ایک نئی نسل تیار کرنا تھا۔ یہ واقعہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تقریباً ڈھانی ہزار سال پہلے پیش آیا۔ اس کا مقصد دراصل پیغمبر اسلام کے لیے ایک تیار شدہ نسل (prepared generation) فراہم کرنا تھا۔ یہ منصوبہ پوری طرح کامیاب ہوا۔ بنو اسماعیل کی اسی نسل میں پیغمبر اسلام پیدا ہوئے اور اسی نسل میں کام کر کے آپ کو ساتھیوں کی وہ ٹھیم حاصل ہوئی جس نے تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز کیا۔

اصحاب رسول کا دور

اصحاب رسول سے مراد اصحاب محمد ہیں۔ اصحاب محمد، پیغمبروں کی تاریخ میں ایک مستثنی گروہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی اجتماعی کوشش سے، تاریخ میں پہلی بار یہ کار نامہ انجام دیا کہ توحید کے

مشن کو دعوت کے مرحلے سے آگے بڑھا کر، انقلاب کے مرحلے تک پہنچا دیا۔ اصحاب رسول کی کوششوں سے تاریخ میں ایک نیا عمل (process) جاری ہوا۔ بعد کے تمام سماجی اور سیاسی اور سائنسی انقلابات اسی تاریخی عمل کا نتیجہ ہیں۔

مسلم تہذیب کا دور

مسلم تہذیب کے دور سے مراد وہ دور ہے جو رسول اور اصحاب رسول کے لائے ہوئے انقلاب کے بعد شروع ہوا۔ یہ دور مکہ اور مدینہ میں شروع ہوا، پھر دمشق اور بغداد اور قرطہ ہوتے ہوئے وہ مغربی یورپ تک پہنچ گیا۔ اس دور کو مسلم تہذیب کا دور کہا جاسکتا ہے۔ اس دور سے پہلے انسان، فطرت (nature) کو پرستش کے بجائے تدبیر اور تنخیر کا موضوع بنایا گیا۔ جن ستاروں کو اس سے پہلے انسان دیوتا سمجھ کر پوچھتا تھا، ان کے مطالعے اور مشاہدے کے لیے مسلم شہروں میں رصدگاہیں قائم ہوئیں، وغیرہ۔ مسلم تہذیب کے روں کا اعتراف مورخین نے واضح طور پر کیا ہے۔ مثال کے طور پر بریفائل (Robert Briffault) نے لکھا ہے کہ — یہ بہت زیادہ قرین قیاس ہے کہ عربوں کے بغیر جدید صنعتی تہذیب سرے سے وجود ہی میں نہ آتی:

It is highly probable that but for the Arabs, modern industrial civilization would never have arisen at all.
(*The Making of Humanity*, p. 202)

مغربی تہذیب کا دور

مغربی تہذیب (western civilization) کو عام طور پر قدیم یونانی تہذیب کی نشأۃ ثانیۃ (western civilization) کہا جاتا ہے، مگر یہ انتساب درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جدید مغربی تہذیب دراصل قدیم مسلم تہذیب کی نشأۃ ثانیۃ ہے۔ مغربی تہذیب نے اُس سائنسی علوم کو تکمیل تک پہنچایا، جس کا آغاز مسلم تہذیب کے زمانے میں ہوا تھا۔ مغربی تہذیب نے فطرت (nature) میں چھپے ہوئے قوانین (laws of nature) کی دریافت کر کے یہ کہ اسلام کی صداقت اور اسلام کی دعوت کے تمام امکانات اعلیٰ ترین سطح پر کھول دئے۔ غالباً یہی تاریخی واقعہ ہے جس کی پیشین گوئی حدیث رسول میں

إن الفاطم میں کی گئی تھی: إن الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر۔

اس حدیث رسول میں جس تائید دین کا ذکر ہے، اُس سے مراد تہذیب (civilization) کے ذریعے وجود میں آنے والی تائید ہے، یعنی فکر و عمل کی سطح پر دینِ حق کے لیے تمام موقع کا کھل جانا۔ تائید دین کے اس واقعے کا ابتدائی نصف حصہ مسلم تہذیب کے زمانے پیش آیا، اور تائید دین کے اس واقعے کا باقیہ نصف حصہ مغربی تہذیب کے ذریعے انجام پایا۔ مذکورہ حدیث رسول میں، فاجر انسان سے مراد را صلی سیکھو را انسان ہے۔

اخوان رسول کا دور

اخوانِ رسول سے مراد امتِ محمدی کا وہ دوسرا گروہ ہے جو تاریخِ انسانی کے آخری دور میں قیامت سے پہلے غالباً ایکسویں صدی میں ظاہر ہوگا۔ وہ حالات کے اعتبار سے ایکسویں صدی عیسوی میں وہی دعوتی جہاد کرے گا جو ساتویں صدی عیسوی میں اصحابِ رسول نے اپنے حالات کے اعتبار سے انجام دی تھا۔ اصحابِ رسول اپنے زمانے سے پہلے کی ڈھانی ہزار سالہ تاریخ کے وارث بنے تھے۔ اخوانِ رسول اپنے زمانے سے پہلے کی ڈیری ہزار سالہ تاریخ کے وارث ہوں گے۔

اصحابِ رسول اور اخوانِ رسول دونوں میں سے کسی کام پر اسرار کام نہیں ہوگا، بلکہ دونوں ہی کا یہ معاملہ ہوگا کہ وہ اپنے زمانے کے معلوم موقع کو دریافت کریں گے اور ان کو استعمال کر کے انسانیت کے معاملے میں خدا کے منصوبہ کو پورا کریں گے۔

اخوانِ رسول

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق، دور آخر میں اہل ایمان کے درمیان ایک دعوتی گروہ ظاہر ہوگا۔ حدیث میں اس گروہ کو اخوانِ رسول کہا گیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

وَدَدْثُ أَنَا قَدْ رأَيْنَا إِخْوَانَنَا. قَالُوا: أَوْلَسْنَا إِخْوَانَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: بَلْ أَنْتُمْ أَصْحَابِي، وَإِخْوَانَنَا الَّذِينَ لَمْ يَأْتُوا بَعْدَ (صَحِيفَ مُسْلِمٍ، كِتَابُ الطَّهَارَةِ) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے اخوان (بھائیوں) کو دیکھوں۔ صحابہ نے کہا کہ

الرسالة، اگست 2011

اے خدا کے رسول، کیا ہم آپ کے اخوان (بھائی) نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ تم میرے اصحاب ہو۔ ہمارے اخوان وہ ہوں گے جو ابھی ظاہر نہیں ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دینِ توحید کی جو تاریخ شروع ہوئی، اُس میں دو گروہ ایسے ہیں جن کے لیے مقدر تھا کہ وہ دینِ توحید کے دعویٰ افہماں میں نمایاں رول ادا کریں۔ ان میں سے ایک گروہ وہ ہے جس کو اصحاب رسول کہا جاتا ہے۔ اصحاب رسول نے ساتویں صدی کے نصف اول میں اپنا خصوصی رول ادا کیا۔ موجودہ زمانے میں دعوت و اظہار دین کا یہی رول وہ دوسرا گروہ انجام دے گا جس کو اخوانِ رسول کہا گیا ہے۔

دونوں گروہوں میں سے کسی گروہ کا رول پر اسرار کرامت کے طور پر نہیں ہوگا، بلکہ وہ معلوم اسباب کے تحت ہوگا۔ دونوں زمانوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے حالات پیدا کئے جائیں گے جن کو استعمال کرتے ہوئے دونوں گروہ اپنا مطلوب رول انجام دیں گے۔ دونوں گروہ دراصل دو الگ الگ تاریخی عمل کے نقطہ انتہا (culmination) ہوں گے۔

اخوانِ رسول کی صفات

اخوانِ رسول کی دو خاص صفتیں ہوں گی۔ ایک صفت کا تعلق معرفتِ دین سے ہے، اور دوسری صفت کا تعلق دعوتِ دین سے۔ یہ دونوں صفات یکساں طور پر ضروری ہیں۔ ان میں سے کسی ایک صفت کا فقدان بھی کسی گروہ کو اخوانِ رسول کا رول ادا کرنے کے لیے نااہل بنادیتا ہے۔

پہلی صفت کو سمجھنے کے لیے اس حدیثِ رسول کا مطالعہ کیجئے: بدأ الإسلام غريباً وسيعود كما بدأ، فطوبى للغرباء (صحیح مسلم، کتاب الإيمان) یعنی اسلام شروع ہوا تو وہ اجنبی تھا۔ اسی طرح دوبارہ اسلام اجنبی ہو جائے۔ پس مبارک باد ہوا جنیوں کے لیے۔

اس حدیثِ رسول میں بتایا گیا ہے کہ عام قانونِ فطرت کے مطابق، مسلمانوں کی اگلی نسلوں کے اندر رزوں وال (de-generation) پیدا ہوگا۔ وہ بدنیوں اسلام کا نام لیں گے، لیکن وہ حقیقی اسلام سے نا آشنا ہو چکے ہوں گے۔ وہ لوگ قابل مبارک باد ہیں جو بعد کے زمانے میں اصل اسلام کو دریافت

کریں اور از سرِ نو اُس پر قائم ہو جائیں۔

بعد کے مسلمانوں میں اس فتح کا زوال کیوں پیش آئے گا۔ اس کا سبب رسول کے زمانے سے دوری ہے۔ اصل یہ ہے کہ بعد کے زمانے کے مسلمانوں کے لیے اسلام کو بخشنے کا قریبی ماذر رسول نہیں ہوتا، بلکہ بعد کے زمانے کے اکابر ان کے لیے ان کے دین کا قریب ماذر بن جاتے ہیں، جن کو قرآن میں احبار و رہبان (30:10) کہا گیا ہے۔

صحابہ کے لیے ان کے دین کا قریبی ماذر رسول تھا۔ تابعین کے لیے ان کے دین کا قریبی ماذر صحابہ بن گئے۔ اس کے بعد تبع تابعین کے لیے ان کے دین کا قریبی ماذر تابعین بن گئے۔ اسی طرح ہر نسل کے لیے اس کے دین کا قریبی ماذر بتلتارہا۔ یہ تبدیلی ہمیشہ تدریجی طور پر ہوتی ہے۔ اس بنا پر وہ غیر محسوس طور پر جاری رہتی ہے۔ اس کا اندازہ لوگوں کو صرف اُس وقت ہوتا ہے جب کہ بڑھتے بڑھتے وہ بڑی تبدیلی تک پہنچ جائے۔ مثلًا رسول سے جو دین صحابہ کو ملا، اُس میں سارا زور اسپرٹ (spirit) پر تھا۔ اس کے بعد ہر نسل میں اس کے اندر تبدیلی آتی رہی، یہاں تک کہ عبادی دور میں جب فقہاء کا زمانہ آیا تو اب سارا زور مسائل، بالفاظ دیگر فارم (form) پر دیا جانے لگا۔ رسول کے زمانے میں، دین بینی بر روح (spirit-based) تھا۔ فقہاء کے زمانے میں، دین بینی بر مسائل (form-based) بن گیا ہے۔

اسی طرح رسول کے زمانے میں اسلام کا خارجی نشانہ صرف دعوت تھا۔ اُس زمانے میں اسلام ایک دعوتی مذہب کی حیثیت رکھتا تھا۔ مگر بعد کی نسلوں میں دھیرے دھیرے دعوتی ذہن کم ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ جب آٹھویں صدی میں مسلمانوں کا سیاسی ایکپارٹ قائم ہو گیا تو مسلمانوں کے اندر دعوتی نشانہ سرے سے ختم ہو گیا۔ اب صرف ایک چیز اُن کا نشانہ بن گئی اور وہ تھا سیاسی اقتدار۔

اسی طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسلام کا کوئی کلپنیں تھا۔ اُس زمانے میں رسول اور اصحاب رسول اسلام کو ایک مشن کے طور پر اختیار کئے ہوئے تھے۔ پھر جب اسلام مختلف ملکوں میں پھیلا اور دوسری قوم کے لوگوں سے مسلمان کے تعلقات قائم ہوئے۔ اس کے بعد مسلمان انٹر ایکشن (interaction) کے ذریعہ مسلمانوں کے درمیان ایک کلپنے بننے لگا۔ یہ عمل جاری رہا، یہاں

تک کہ وہ چیزوں میں آگئی جس کو مسلم کچھ کہا جاتا ہے۔

موجودہ زمانے میں مسلمانوں کے درمیان یہ تبادلیاں پوری طرح واقع ہو چکی ہیں، یہاں تک کہ رسول والا اصل اسلام مسلمانوں کے لیے اب اجنبی (غیریب) بن چکا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اسلام پر ہیں، حالاں کہ باعتبار حقیقت وہ ایک بد لے ہوئے اسلام پر ہیں، نہ کہ اصل اسلام پر۔
اب اگر چہ اخوان رسول کا رول ادا کرنے کا وقت آگیا ہے، لیکن اخوان رسول کا رول ادا کرنے کی توفیق صرف ان لوگوں کو ملے گی جو رسول اور اصحاب رسول والے اسلام کو دوبارہ دریافت (rediscover) کریں، موجودہ مسلمانوں کا زمانہ اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے درمیان جودوری (distance) واقع ہو چکی ہے، اس کو عبور کر کے وہ دوبارہ عہد صحابہ میں پہنچیں۔

اخوان رسول کا رول ادا کرنے والے اگرچہ اکیسویں صدی میں ہوں گے، لیکن اپنی فکر اور اپنی سیرت اور اپنے مشن کے اعتبار سے وہ اپنے آپ کو اصحاب رسول کے ہم زمانہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اصحاب رسول اور اخوان رسول کا رول اگرچہ زمانے کے اعتبار سے مختلف ہے، لیکن اپنی نوعیت کے اعتبار سے، دونوں کا رول ایک ہے۔

سیرت رسول کے موضوع پر رقم الحروف کی ایک کتاب ”پیغمبر انقلاب“ (صفحات 208) پہلی بار 1982 میں چھپی۔ اس کتاب کے آخری باب میں دو بڑے دعویٰ گروہوں کا ذکر تھا جو پیغمبرانہ مشن میں عظیم تاریخی رول ادا کرے گا۔ کتاب کی یہ طریقہ یہاں نقل کی جاتی ہیں:

”سیرت کی کتابوں میں آتا ہے کہ بدر کے میدان میں جب طاقت ور اہل کفر بظہر کمزور اہل ایمان کے اوپر ٹوٹ پڑے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدت احساس کے تحت سجدے میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ سے نفرت کی دعا میں مانگنے لگے۔ اس نازک لمحہ میں آپ کی زبان سے جو کلمات نکلے، ان میں سے ایک جملہ یہ تھا: اللهم إن تهلك هذه العصابة، لا تُعبد بعدها في الأرض (خدایا، اگر یہ گروہ ہلاک ہوگا تو اس کے بعد زمین پر تیری عبادت نہ ہوگی)۔ یہ کوئی مبالغہ نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تین سوتیرہ روچیں جو بے سروسامانی کے باوجود بدر کے معزکہ میں کھڑی ہوئی تھیں،

یہ م Hispan عالم قوم کے تین سوتیرہ لوگ نہ تھے۔ یہ عصا بہ در اصل وہ گروہ تھا جس پر ڈھائی ہزار سالہ تاریخ ملتی ہوئی تھی۔ اسی طرح آج دوبارہ ایک نیا عصا بہ (گروہ) درکار ہے جس پر چھپلی ہزار سالہ تاریخ ملتی ہوئی ہو، جو اپنے شعور کے اعتبار سے چھپلی ہزار سالہ تاریخ کا وارث ہو، جو اپنے کردار کے اعتبار سے ان امکانات کو واقعہ بنانے کا اٹل ارادہ اپنے اندر لئے ہوئے ہو، جو سنجیدہ فیصلے کی اُس حد پر پہنچا ہوا ہو جہاں پہنچ کر آدمی اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے مقصد سے پوری طرح وابستہ رہے، کوئی بھی خارجی واقعہ اس کو اس کے نشانے سے ہٹانے والا ثابت نہ ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خدا کے کاگ (cog) میں اپنا کاگ ملائیں گے، اور بالآخر یقینی کامیابی کی منزل تک پہنچیں گے۔ (صفحہ 204)

اس اقتباس میں جن دو عصا بہ کا ذکر تھا، ان میں سے پہلا عصا بہ ہے جس کو صحابہ رسول کہا جاتا ہے۔ دوسرا عصا بہ ہے جس کا ذکر پیشین گوئی کے طور پر حدیث رسول میں آیا ہے۔ اس دوسرے عصا بہ کو حدیث میں اخوان رسول (إخواننا الذين لم يأتوا بعد) کہا گیا ہے۔ صحابہ رسول وہ گروہ ہے جس نے ساتویں صدی عیسوی میں اپنا معلوم تاریخی رول ادا کیا۔ اخوان رسول غالباً وہ گروہ ہو گا جو اکیسویں صدی عیسوی میں اپنا مطلوب رول ادا کرے گا۔

اس قوم کا رول ادا کرنا کوئی سادہ بات نہیں ہے۔ ایسا گروہ ہمیشہ ایک لمبے تاریخی عمل کا نقطہ انتہا ہوتا ہے۔ صحابہ رسول اپنے سے پہلے کی ڈھائی ہزار سالہ تاریخ کا نقطہ انتہا تھے، اسی طرح اخوان رسول اپنے سے پہلے کے ایک ہزار سال سے زیادہ لمبے تاریخی عمل کا نقطہ انتہا ہوں گے۔ پہلے عصا بہ (صحابہ رسول) نے اپنا مطلوب رول پیغمبر کی رہنمائی میں ادا کیا۔ بار بار ایسا ہوا کہ صحابہ پر یہ امر واضح نہ تھا کہ پیش آمدہ صورت حال میں انھیں کیا کرنا چاہیے۔ پیغمبر پر خدا نے وہی بھیجی اور پیغمبر نے اس کے مطابق، صحابہ کی رہنمائی کی۔ اس کی ایک مثال معاہدہ حدیبیہ کا واقعہ ہے۔ اُس وقت صحابہ میں سے کسی بھی شخص کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس نازک موقع پر انھیں کیا کرنا چاہیے۔ آخر کار، پیغمبر کی رہنمائی میں فیصلہ کیا گیا۔ اسی طرح صحابہ کا پورا رول پیغمبر کی رہنمائی میں انجام پایا۔

دوسرے عصا بہ (اخوان رسول) کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ اخوان رسول کا رول تمام تر

اجتہادی رول ہوگا۔ اُن کو یہ کرنا ہوگا کہ وہ حالات کے گھرے مطالعہ کے ذریعے اپنارول دریافت کریں اور اُس کے مطابق، عمل کر کے اخوان رسول کے درجے کے مستحق ٹھہریں۔ اس معاملے میں اخوان رسول کے لیے صرف دو ہی چیزیں مددگار ہو سکتی ہیں، وہ دو چیزیں ہیں—دعا، اور اجتہاد۔

رقم الحروف نے اس موضوع پر بہت زیادہ غور کیا ہے۔ اس تمام متعلق لظریفہ کو پڑھنے کی کوشش کی ہے۔ اسی کے ساتھ بھی مدت تک اپنے دن اور اپنی راتوں کو دعا میں گزارا ہے۔ ان مسلسل کوششوں کے بعد ذاتی طور پر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اکیسویں صدی میں وہ تمام حالات پوری طرح ظاہر ہو چکے ہیں جو اخوان رسول کو اپنا تاریخی رول ادا کرنے کے لیے درکار ہیں۔ میرے اندازے کے مطابق، اب انتظار کا وقت ختم ہو چکا ہے اور عمل کا وقت آخری طور پر آچکا ہے۔

اخوان رسول کے لیے خوشخبری

قرآن کی سورہ الْفَلِیل (105) اور سورہ قریش (106) دو توأم (twin) سورتیں ہیں۔ یہ دونوں سورتیں تقریباً ایک ہی وقت میں کمی دور کی ابتداء میں نازل ہوئیں۔ یہ دونوں سورتیں اصحاب رسول کے لیے خوشخبری کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ان سورتوں میں یہ بتایا گیا تھا کہ اصحاب رسول کو اپنے زمانے میں جو رول ادا کرنا ہے، اُس میں خدا پوری طرح اُن کے ساتھ ہے۔ اصحاب رسول خدا کے ایک عظیم منصوبہ کا حصہ ہیں۔ خدا نے اُن کے لیے پیشگی طور پر وہ اسباب مہیا کر دئے ہیں جن کی تائید سے وہ اپنے مطلوب رول کو بخوبی طور پر ادا کر سکیں۔

سورہ الْفَلِیل میں کعبہ کے تحفظ کا ذکر ہے۔ کعبہ دراصل وہ تاریخی عمارت تھی جس کے لیے یہ متدرقاً کہ وہ اسلام کی تحریک توحید کا عالمی مرکز بنے۔ اسی مقصد کے تحت اللہ تعالیٰ نے کعبہ مجراً طی طور پر اہمیت کے حملے سے بچایا۔ اس کے بعد ہی ممکن ہوا کہ اصحاب رسول، کعبہ اور بلدِ امین کو مرکز بن کر مبنی بر توحید انقلاب برپا کریں۔

سورہ قریش میں، قریش کے لیے خدا کی خصوصی نصرت کا ذکر ہے۔ یہ قریش کون لوگ تھے، یہ اسما علیٰ نسل کے وہ منتخب لوگ تھے جو دراصل مستقبل کے اصحاب رسول تھے۔ خدا کو مطلوب تھا کہ وہ محفوظ رہیں اور آخر کار پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دے کر وہ تاریخی رول ادا کریں جو ان کے لیے مقدر

ہو چکا ہے۔ قرآن کے ساتھ خدا کا جو خاص معاملہ ہوا، اُس میں سے ایک معاملہ وہ تھا جس کو سورہ قریش کے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: أطعهم من جوع، و امنهم من خوف (4:106) یعنی ان کے لیے خصوصی طور پر رزق کی فراہمی اور خصوصی طور پر امن کی فراہمی کا انتظام کیا گیا۔

قرآن کی ان دونوں سورتوں میں براہ راست طور پر اس تاریخی معاملے کا ذکر ہے جو اصحاب رسول کے ساتھ پیش آیا۔ اسی کے ساتھ بالواسطہ طور پر ان دونوں سورتوں میں اُس واقعہ کی طرف بھی اشارہ ہے جو بعد کے اخوان رسول کے ساتھ پیش آنے والا تھا، یعنی اخوان رسول کے لیے ایک طرف مرکز عمل کی فراہمی اور دوسری طرف موقعی کار کے دروازے کا کھل جانا۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسوں صدی میں نصرتِ الٰہی کا یہ وعدہ امکانی طور پر ایک واقعہ بن چکا ہے۔ اصحاب رسول کے بارے میں حضرت عمر فاروق نے کہا تھا کہ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَكُونَ مِثْلَ هَذِهِ الْأَمْمَةِ فَلِيؤْدِ شَرْطَ اللَّهِ فِيهَا۔

یہ بات جو عمر فاروق نے قدیم زمانے میں اصحاب رسول کے بارے میں کہی تھی، اُسی کو موجودہ زمانے میں اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ — جو لوگ اخوان رسول کی جماعت میں شامل ہونے کی خوش قسمتی حاصل کرنا چاہتے ہوں، ان کو چاہیے کہ وہ عصرِ حاضر کو سمجھیں اور جدید موقع کو استعمال کر کے وہ رول ادا کریں جو اخوان رسول کے لیے مقرر ہو چکا ہے۔

اصحاب رسول کے لیے ساتویں صدی عیسوی میں تین خاص امکانات فراہم کئے گئے تھے۔ ایسوں صدی عیسوی میں اخوان رسول کے لیے بھی جدید حالات کے اعتبار سے تین خاص موقع پوری طرح فراہم ہو چکے ہیں۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ کچھ با حوصلہ اہل ایمان ان موقع کو دریافت کریں اور اپنے حکیما نہ عمل کے ذریعہ اس امکان کو واقعہ بنائیں۔ ان تینوں امکانات کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے:

1- متلاشی حق نسل (electronic centre) 2- الکٹرائیک مرکز (seeker generation)

3- امن اور کشادہ رزق (peace and plenty)

متلاشی حق نسل

مکہ میں قبائل قریش کے جو لوگ تھے، وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے، حق کے متلاشی

لُوگ تھے۔ روایات میں ایسے لوگوں کو حُنفاء کہا گیا ہے، یعنی متلاشی۔

انھیں حفقاء میں سے ایک زید بن عمر بن فضیل تھے۔ اسماء بنت ابی بکر کہتی ہیں کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا ہے۔ وہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے اور یہ کہہ رہے تھے:
اللَّهُمَّ إِنِّي لَوْ أَعْلَمُ أَحَبَّ الْوِجْهَ إِلَيْكَ، عَبَدْتُكَ بِهِ، وَلَكُنِّي لَا أَعْلَمُ (السیرة النبوية
لابن کثیر، جلد 1، صفحہ 154) یعنی اے اللہ، اگر میں جانتا کہ تیری عبادت کرنے کا سب سے اچھا طریقہ کیا ہے تو میں اُسی طرح تیری عبادت کرتا، لیکن میں اس کو نہیں جانتا۔

شعری یا غیر شعوری طور پر بوسا میں کے تقریباً تمام افراد کا یہی حال تھا۔ اپنی خصوصی صحرائی تربیت کے نتیجے میں یہ لوگ متلاشی حق (truth seeker) تھے، نہ مُنکِر حق۔ یہی وجہ ہے کہ دھیرے دھیرے ان کے تقریباً تمام عورتوں اور مردوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ابتدا میں ان کی مخالفت بے خبری کی بنا پر تھی، نہ کہ حقیقت کرشی کی بنا پر۔ موجودہ زمانے کی جدید نسل کا کیس بھی عام طور پر یہی ہے۔ موجودہ زمانے میں سامنے انقلاب اور دوسرے فکری انقلابات کے نتیجے میں لوگوں کا جوڑ ہن بنا ہے، وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے، مُنکِر حق کا کیس نہیں ہے، بلکہ وہ متلاشی حق (truth seeker) کا کیس ہے۔ اس معاہلے کو ایک حالیہ مثال سے سمجھا جاسکتا ہے۔

ایک انگریز جوڑ امغربی تہذیب سے غیر مطمئن تھا۔ آخر کار دونوں لندن چھوڑ کر دہلی آگئے۔ دہلی میں آج کل وہ بیمار حیوانات کا ایک اسپتال چلا رہے ہیں۔ وہ حیوانات کی خدمت میں اپنے لیے اطمینان تلاش کر رہے ہیں۔ ہماری دعوتی ٹیم کے ایک صاحب ان سے ملے اور ان کو قرآن کا انگریزی ترجمہ پیش کیا۔ انھوں نے اس کو نہایت شوق سے لیا اور کہا کہ میں اس کو ضرور پڑھوں گا۔ انھوں نے کہا کہ— میری ہمیشہ یہ خواہش تھی کہ میں سچائی کے دوسرے تصور کو جانوں:

I always wanted to know another version of the truth.

یہی موجودہ زمانے کے تقریباً تمام عورتوں اور مردوں کا حال ہے۔ نئے انکار اور نئے تجزیات نے ان کو شعوری یا غیر شعوری طور پر سچائی کا متلاشی بنادیا ہے۔ یہ صورت حال ایکسوں صدی کے اخوانِ رسول کو

عین وہی موقع فراہم کر رہی ہے جو ساتویں صدی کے اصحاب رسول کے حصے میں آیا تھا۔ جو لوگ اس موقع کو دریافت کر کے اس کو استعمال کریں، وہی دراصل اخوان رسول کا رول ادا کریں گے۔

الیکٹرائیک مرکز

دعوتی کام کو منظم کرنے کے معاملے میں بھی یہی امکان پوری طرح پیدا ہو چکا ہے۔ قدیم زمانے میں کوئی دعوتی کام عملاً صرف محدود علاقے میں ہو سکتا تھا۔ حدیث کے الفاظ میں، آج یہ مطلوب ہے کہ سطح زمین کے تمام چھوٹے اور بڑے گھروں میں اسلام کا کلمہ داخل کر دیا جائے۔ (لایقیٰ علی ظہر الأرض بیت مدر ولا وبر إلا أدخله اللہ کلمةَ الإسلام)۔ اس سے کم درجے کے کسی کام کو مطلوب درجے کا کام قرار نہیں دیا جاسکتا۔

موجودہ زمانے میں جو دعوتی کام مطلوب ہے، وہ عالمی دعوت کا کام ہے۔ اسی مصلحت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے موجودہ زمانے میں ایسے حالات پیدا کئے جس کی بنا پر پوری دنیا ایک گلوبل ولنج (global village) بن گئی۔ آج یہ ممکن ہو گیا کہ جدید وسائل کو استعمال کر کے عالمی دعوت کا کام کیا جائے۔ آج عالمی دعوت کے مشن کو مقامی مرکز درکار نہیں ہے، بلکہ اس کو عالمی مرکز درکار ہے۔

خدا کی خصوصی نصرت کا یہ امکان آج پوری طرح وجود میں آچکا ہے۔ اس امکان کو ایک لفظ میں، دعوت کا الیکٹرائیک سنٹر کہا جاسکتا ہے۔ دورِ جدید کا الیکٹرائیک سنٹر ظاہر ایک محدود رقبہ زمین پر ہو گا، لیکن اپنے دعوتی روں کے اعتبار سے وہ عالمی سطح پر اپنے کام کو منظم کرنے کا اہل ہو گا۔

امن اور کشاور زریق

امن اور رزق کی کشاورگی کے اعتبار سے بھی یہی معاملہ پیش آیا ہے۔ موجودہ زمانہ پورے معنوں میں وہ زمانہ ہے جب کہ امن اور رزق کی کشاورگی دونوں کے موقع پوری طرح حاصل ہو چکے ہیں۔ اصولی طور پر آج کے انسان کے لیے صرف امن کا چواہس (choice) باقی رہا ہے۔ تشدید اور جنگ کا چواہس اب اصولی طور پر ختم ہو چکا ہے۔ عمومی تباہی کے تھیمار (weapons of mass destruction) کے وجود میں آنے کے بعد اب صرف پر امن طریق کارہی کے ذریعے کوئی مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اب متشددانہ طریق کار کے ذریعے کسی ثابت مقصد کا حصول ممکن ہی نہیں رہا۔

مزید یہ کہ آج مذہبی آزادی (religious freedom) کا حق ایک مطلق حق کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اگر آدمی اپنی طرف سے جارحانہ انداز اختیار نہ کرے تو وہ کسی بھی رکاوٹ کے بغیر عالمی سطح پر دعویٰ کا کام انجام دے سکتا ہے۔ گویا کہ قدیم عرب (قریش) کو جو امن محدود طور پر کعبہ کی نسبت سے ملا تھا، وہ امن اب جدید دنیا میں ایک زمانی انقلاب کے نتیجے میں عالمی سطح پر حاصل ہو چکا ہے۔ یہی معاملہ رزق کی کشادگی کا ہے۔ موجودہ زمانے میں اہل اسلام کے لیے رزق کی کشادگی کا واقعہ اتنے بڑے پیمانے پر ہوا ہے جیسا واقعہ اس سے پہلے تاریخ میں کبھی نہیں ہوا تھا۔

اس کشادگی کا ایک پہلو یہ ہے کہ مسلم ملکوں کی زمین کے نیچے تیل کا خزانہ دریافت ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا کے تیل کے ذخائر کا 75 فی صد حصہ مسلم ملکوں میں واقع ہے۔ دوسری طرف، جدید معنوی انقلاب نے کسب رزق کے موقع سیکڑوں گنازیادہ بڑھادئے ہیں۔ اگر اہل اسلام اپنی طرف سے کوئی مسئلہ پیدا نہ کریں تو آج وہ دعوت الی اللہ کا کام رزق کی فراوانی کے ماحول میں انجام دے سکتے ہیں، جب کہ پہلے لوگوں کو رزق کی تنگی کے ماحول میں دعوت الی اللہ کا کام انجام دینا پڑتا تھا۔

مطالعہ بتاتا ہے کہ جدید دور (modern age) ہر اعتبار سے ایک نیا دور ہے۔ ایک لفظ میں، اس کو رواتی دور کا خاتمہ اور غیر رواتی دور کا ظہور کہہ سکتے ہیں۔ آج کا دور فکر و عمل کے تمام پہلوؤں کے اعتبار سے کامل طور پر ایک بدلا ہوا دور ہے۔ یہ تبدیلی اتنی زیادہ بڑھ چکی ہے کہ قدیم زمانے کا آدمی اگر اچاک زندہ ہو کر آج کے زمانے میں آئے تو وہ سمجھ گا کہ شاید میں ایک خواب دیکھ رہا ہوں، کیوں کہ یہاں کی ہر چیز اس کو ناقابل قیاس حدک بدلتی ہوئی دکھائی دے گی۔

جدید تبدیلی کا مقصد

یہ تبدیلیاں دنیا میں کس لیے آئی ہیں۔ اس کا مقصد لوگوں کو آرام و عیش فراہم کرنا ہیں ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ان تمام مواقع اور ان تمام امکانات کو دعوت الی اللہ کے کام میں استعمال کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ دعوت کا کام اتنا زیادہ مطلوب کام ہے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے پورے دور کو

بدل دیا۔ موجودہ زمانے میں زندگی کے تمام پہلوؤں میں ہر اعتبار سے تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ یہ تبدیلیاں تمام تر دعوت الی اللہ کے حق میں ہیں۔ یہ تبدیلیاں دعوت الی اللہ کے کام ہی کے لیے ظہور میں آئی ہیں۔ جو لوگ ان تبدیلیوں کو جانیں اور ان کو بھر پور طور پر دعوت الی اللہ کے مقصد کے لیے استعمال کریں، وہی آخری دور کے وہ خوش قسمت لوگ ہوں گے جن کو حدیث میں اخوان رسول کہا گیا ہے۔

ادخالِ کلمہ

اخوان رسول کو جو کام کرنا ہے، اس کو واحد نام دینا ہوتا وہ ادخال کلمہ ہوگا۔ حدیث میں اس سلسلے میں ادخلہ اللہ کلمۃ الإسلام کا لفظ آیا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ادخال کلمہ کے اس عمل میں مدخل خود اللہ ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمام اساب خود اللہ کی طرف سے مہیا کئے جائیں گے جو عالمی ادخال کلمہ کے لیے ضروری ہیں۔ ادخال کلمہ کا پورا پاس خدا کی طرف سے ہوگا۔ اخوان رسول کو صرف یہ سعادت ملے گی کہ وہ اس عمل کا ایک شعوری حصہ قرار پائیں گے۔ دعوت الی اللہ کا کام ہمیشہ خدا کی نصرت خاص کے تحت انجام پاتا ہے۔ تاریخ کے آخری دور میں دعوت الی اللہ کا جو کام ہوگا، وہ بھی خدا کی خصوصی نصرت کے تحت انجام پائے گا۔ یہ نصرت خاص ہمیشہ مجذہ کی سطح پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس معاملے میں، مجذہ سے کم درجے کی کوئی چیز نصرت کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ ابتدیہ یہ فرق ہے کہ قدیم زمانے میں دعوت کے حق میں یہ مجھراتی نصرت خرقی عادت کی صورت میں ظاہر ہوتی تھی، اب موجودہ زمانہ میں یہ مجذاتی نصرت اسباب کی صورت میں ظاہر ہوگی، یعنی تاریخی عمل (historical process) کے نتیجے میں ظاہر ہونے والے اخبارِ موقع کے ذریعے۔

اس اعتبار سے، یہ کہنا صحیح ہوگا کہ قدیم زمانے کے داعیوں کو جو نصرت بذریعہ مجذات دی گئی تھی، موجودہ زمانے کے داعیوں کو وہ نصرت پورے دور کی تبدیلی کی صورت میں فراہم کر دی گئی ہے۔ قدیم داعیوں کو یہ نصرت اگر تو مجذہ کے ظہور کے ذریعے ملی تھی، تو آج کے داعیوں کے لیے یہ نصرت پورے دور کو ان کے موافق بنانے کی صورت میں عطا کر دی گئی ہے۔

الرسالة، اگست 2011

ہندستان میں خصوصی موقع

ایک روایت کے مطابق، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عصابتان من امتی أحرز هما اللہ من النار: عصابة تكون مع عيسى بن مريم، وعصابة تغزوا الہند (صحیح الجامع للألبانی، رقم الحديث: 4012) یعنی میری امت میں دو گروہ ہیں جن کو اللہ نے آگ کے عذاب سے بچالیا ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو عیسیٰ بن مریم کے ساتھ ہو گا، اور دوسرا گروہ وہ ہے جو ہند میں غزوہ کرے گا۔ اس حدیث رسول میں مستقبل کے بارے میں ایک پیشین گوئی کی گئی ہے۔ بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ دور آخر میں دعوت الی اللہ کا جو کام مقدر ہے، وہ غالباً ہندستان میں انجام پائے گا۔ دعوت الی اللہ کا یہ کام قیامت سے پہلے ہو گا۔ اس کام کی انجام دہی کے بعد قیامت آجائے گی اور انسان کے لیے دوسرا دو رحیات شروع ہو جائے گا، جہاں انسانوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے، اور ایک گروہ کے لیے انعام اور دوسرے گروہ کے لیے سزا کا فیصلہ کیا جائے۔

موجودہ زمانے میں دنیا میں تقریباً 200 ممالک ہیں۔ ان میں سے ایک ہندستان ہے۔ مختلف ممالک کے حالات کو دیکھتے ہوئے یہ بات بہت زیادہ قریبِ قیاس معلوم ہوتی ہے کہ قیامت سے پہلے دعوت الی اللہ کا جو آخری کام ہونے والا ہے، اس کا مرکز غالباً ہندستان ہو گا۔

دعوت الی اللہ کا یہ کام عالمی سطح پر انجام پائے گا، لیکن مرکزِ عمل کے اعتبار سے، ہندستان کو اُس میں خصوصی مقام حاصل ہو گا۔ عجیب بات ہے کہ اکیسویں صدی کے ہندستان میں صرف دو گروہ ہیں جو دعوت الی اللہ کے کام میں خصوصی طور پر گرم عمل ہیں۔ میرے علم کے مطابق، موجودہ زمانے میں یہی دو گروہ ہیں جن کے اندر دعوت کا حقیقی اور بے آمیز شعور پایا جاتا ہے۔ ان دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ کا مرکز جنوبی ہند میں ہے، اور دوسرے گروہ کا مرکز نئی دہلی میں۔ هذا ما عندي، والعلم عند الله۔

دور کی تبدیلی

قرآن کی سورہ النور میں اہل ایمان کے لیے استخلاف فی الارض (24:55) کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں مستقبل کے لیے یہ خبر دی گئی ہے کہ— خدا اہل ایمان کی حالتِ خوف کے

بعد اُس کو مِن سے بدل دے گا (ولَيَبْدَلْنَاهُمْ مِنْ بَعْدِ خُوفَهُمْ أَمْنًا)۔

قرآن کی اس آیت میں جس تبدیلی کا ذکر ہے، اس کا تعلق نہ صرف سیاسی تبدیلی سے ہے اور نہ صرف زمانی تبدیلی سے۔ اس آیت میں دراصل دور کی تبدیلی کی خبر دی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دور اول میں اسلام کے ذریعے جو انقلاب آیا، اُس کے نتیجے میں انسانی تاریخ میں ایک پر اس (process) جاری ہوا۔ یہ پر اس آخر کار اس انجام تک پہنچ گا کہ دنیا سے خوف کا دور ختم ہو جائے اور امن کا دور قائم ہو جائے۔ اس کے بعد اہل ایمان تو حید کے مشن کو مذہبی آزادی کے ماحول میں انجام دینے کے قابل ہو جائیں گے، جب کہ اس سے پہلے تو حید کے مشن کو مذہبی جبر کے ماحول میں انجام دینا پڑتا تھا۔

بیسیوں صدی عیسوی میں یہ تبدیلی مکمل طور پر آچکی ہے۔ بیسیوں صدی مذکورہ تاریخی پر اس کے نقطہ انتہا (culmination) کی صدی ہے۔ اب اٹھائی یا متشددانہ طریقہ کارکامل طور پر ایک غیر متعلق (irrelevant) طریقہ بن چکا ہے۔ اب اگر اہل ایمان کو دوبارہ ”خوف“ کی حالت پیش آئے گی تو وہ خود ان کی اپنی غلط پالیسی کی بنابر پیش آئے گی، نہ کہ زمانی حالت کی بنابر۔

دور کی یہ تبدیلی پر اُن دعوتی مشن کے لیے ایک عظیم تائید کی جیشیت رکھتی ہے۔ جو لوگ اس راز کو نہ سمجھیں اور بدستور متشددانہ کارروائی کرتے رہیں، وہ اپنے بارے میں اندر ہے پن کا ثبوت دے رہے ہیں۔ یہ انہا پن اتنا زیادہ گنگیں ہے کہ اُس کو قرآن کی مذکورہ آیت میں کفر و انکار کا نام دیا گیا ہے۔

جنْتَيْ تَهْذِيب

تہذیب (civilization) کا آغاز قدیم زمانے میں اُس وقت ہوا جب کہ انسان نے لو ہے کو دریافت کیا۔ یہ دور ہزاروں سال تک چلتا رہا۔ ساتویں صدی عیسوی میں مسلم تہذیب کا آغاز ہوا۔ مسلم تہذیب کا بنیادی کارنامہ یہ تھا کہ اُس نے فطرت (nature) کو پرستش کے مقام سے ہٹا کر اس کو تحقیق (investigation) کے دور میں داخل کیا۔ اس کے بعد سولھویں صدی میں مغربی تہذیب کا دور شروع ہوا۔ اس دور کا خاص پہلو میکانائزیشن آف پاور (mechanization of power) تھا۔

تہذیب کا سفر امکان کے اعتبار سے، ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ بیسیوں صدی عیسوی میں اس کی

ترقی اپنی آخری حد پہنچ گئی۔ معلوم ہوا کہ انسان کی قائم کرده میکائیکل صنعت ایک لازمی مسئلے سے دوچار ہے، اور وہ کثافت (pollution) ہے۔

کثافت کے مسئلے نے موجودہ زمانے میں فضائل اور سمندروں کو آلودگی سے بھر دیا۔ قرآن کے یہ الفاظ آج پوری طرح واقعہ بن چکے ہیں: ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت أيدي الناس ليذيقهم بعض الذى عملوا، لعلم يرجعون (41:30) (یعنی خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے، تاکہ اللہ مراچھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ بازا جائیں۔

عارفانہ دریافت کا سفر

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ: ولو أَنْ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٍ وَالْبَحْرُ يَمْدُدُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةً أَبْحَرًا، مَا نَفَدَتْ كَلْمَاتُ اللَّهِ، وَلوْ جَئْنَا بِمُثْلِهِ مَدْدًا (31:27) (یعنی اگر زمین میں جو درخت ہیں، وہ قلم بن جائیں اور سمندر، سات مزید سمندروں کے ساتھ روشنائی بن جائیں، تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔

اس آیت میں کلمات اللہ سے مراد وہی چیز ہے جس کو قرآن میں دوسرے مقام پر، آلاء اللہ کہا گیا ہے، یعنی عجائب خداوندی (wonders of God)۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ انسان کو عبادت (51:56) کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

صحابی مفسر عبداللہ بن عباس نے اس آیت میں، عبادت کا مطلب معرفت بتایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خصوصی مخلوق کے طور پر پیدا کیا ہے، انسان کو سوچنے والا دماغ دیا ہے جو کسی اور کو نہیں دیا۔ انسان سے یہ مطلوب ہے کہ وہ غور و فکر کے ذریعے تخلیقات میں چھپے ہوئے آلاء اللہ کو دریافت کرے، اور استجواب کے درجے میں ان کا اعتراف کرے۔ گویا کہ قرآن کی مذکورہ آیت میں یہ کہا گیا ہے:

I created man only to discover
and appreciate the wonders of God.

تبذیب کا سفر دراصل اسی عارفانہ دریافت کا سفر تھا، مگر اس سفر کا ابھی ایک فی صد سے بھی

الرسالہ، اگست 2011

بہت کم حصہ طے ہوا تھا کہ اس کی حد آگئی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ کلمات اللہ یا آلاء اللہ امتحنی لامتناہی حد تک باقی ہیں، پھر کیا ایسا ہو گا کہ انسانی تاریخ یوں ہی ناتمام طور پر ختم ہو جائے اور کلمات اللہ اسی طرح مخفی حالت میں باقی رہیں۔ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ ضروری ہے کہ تخلیق کا منصوبہ پورا ہو، اتمام نور (8:61) کا عمل اپنی آخری حد تک پہنچ، وہ خدائی پیشین گوئی واقعہ بنے جس کو قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: **وأشرق الأرض بنور ربها** (39:69)۔

قیامت کے بعد بننے والی دنیا دراصل اسی ربانی تہذیب یا ان فولڈنگ کے عمل کا تسلسل (continuation) (process of unfolding) ہے۔ موجودہ دنیا دار الامتحان ہے۔ یہاں صالح انسان اور غیر صالح انسان دونوں ملے ہوئے ہیں۔ قیامت کے بعد دونوں کو چھانت کر ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے گا۔ غیر صالح لوگوں کو ابدی طور پر محرومی کی دنیا میں ڈال دیا جائے گا اور صالح انسانوں کو الگ کر کے ایک کامل اور معیاری دنیا میں بسایا جائے گا، اسی کا نام جنت ہے۔

ربانی تہذیب

جنت دوسرے الفاظ میں، ربانی تہذیب (divine civilization) کی دنیا ہے۔ ربانی تہذیب کے تحت جو عمل انجام پائے گا، اُس کو ایک لفظ میں، آلاء اللہ کی ان فولڈنگ (unfolding of divine wonders) کہا جاسکتا ہے۔

یہ عمل سادہ طور پر ایک عمل نہیں ہو گا، بلکہ وہ اعلیٰ ترین مسرت (super joy) کا تجربہ ہو گا۔ یہاں انسان ہر لمحہ ایک نئی پر اہتزاز دریافت (thrilling discovery) کرے گا۔ لازوال مسرت کی اس دنیا کی کوئی انتہا نہ ہو گی اور نہ وہ کبھی ختم ہو گی۔ اسی جنت کے بارے میں قرآن میں آیا ہے: **خالدین فيها لا يبعون عنها حولا** (18:108)۔

قرآن اور حدیث میں اہل جنت کے آرام و راحت کے لیے بہت سی چیزیں موجود ہوں گی۔ جنت میں آرام و راحت کی حیثیت دراصل خدائی ضیافت (divine hospitality) کی ہو گی، یعنی اہل جنت کی اصل سرگرمیاں اس لیے ہوں گی کہ وہ ربانی تہذیب کو ہر ووئے کار لائیں۔ اسی کے ساتھ

اہل جنت کے لیے خدا کی طرف سے ہر قسم کے آرام و راحت کا سامان فراہم کیا جائے گا، یہاں تک کہ اُن کی تمام خواہشیں کامل فل مینٹ (total fulfilment) کے درجے میں پوری ہونے لگیں۔

معرفت کا ابدی سفر

وہ کون خوش نصیب لوگ ہوں گے جو آخرت کی روحانی تہذیب (spiritual civilization) کو ظہور میں لائیں گے اور تخلیق میں خدائی عجائب کو ان فولڈ (unfold) کرنے کا ابدی روں ادا کریں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا میں اس انوکھی صلاحیت کا ثبوت دیں کہ وہ دنیا کے محدود حالات میں معرفتِ خداوندی کی دریافت کی آخری حد تک پہنچیں۔ یہی وہ صلاحیت ہے جو ان کو اس کا اہل ثابت کرے گی کہ وہ آخرت کے لامحدود حالات میں خدائی معرفت کی دریافت کا ابدی سفر طے کریں۔

ساتویں صدی عیسوی میں بنو اسماعیل کو یہ موقع ملا کہ وہ پیغمبر آخر الزماں محمد بن عبد اللہ بن عبدالمطلب کے اصحاب بن کر روایتی دور میں وہ عمل (process) جاری کریں جو آخر کار جنت کی روحانی تہذیب (spiritual civilization) تک پہنچے والا تھا۔

بنو اسماعیل کی وہ صفت کیا تھی جس کی بنا پر وہ اصحاب رسول کا درجہ پانے کے مستحق قرار پائے، اس کو ایک مثال سے سمجھا جاسکتا ہے۔ قدمیم مکہ میں قبائل قریش کے جو لوگ تھے، وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے، حق کے متناشی تھے۔ روایات میں ایسے لوگوں کو حفقاء کہا گیا ہے، یعنی متناشی۔ انھیں حفقاء میں سے ایک زید بن عمر بن نفیل تھے۔ اسماء بنت ابی بکر کہتی ہیں کہ میں نے زید بن عمر بن نفیل کو دیکھا ہے۔ وہ کعبہ کی دیوار سے نیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے اور وہ یہ کہہ رہے تھے: اللهم إني لو أعلم أحبَ الوجه إليك، عبدتك به، ولكنني لا أعلم (السیرة النبوية لابن كثير، 1/154) یعنی اے اللہ، اگر میں جانتا کہ تیری عبادت کرنے کا سب سے اچھا طریقہ کیا ہے تو میں اُسی طرح تیری عبادت کرتا، مگر میں اس طریقے کو نہیں جانتا۔

یہ ایک شخصی واقعہ نہیں، یہ دراصل بنو اسماعیل کی عمومی صفت کی ایک شخصی نمائندگی ہے۔ ساتویں صدی عیسوی کے بنو اسماعیل قبل از اسلام کی مدد ہی روایات میں آخری حد تک پہنچ چکے تھے، اس لیے اللہ

تعالیٰ نے اُن کو چنا کہ وہ بعد از اسلام کے انقلابی مذہبی رول کو انجام دیں۔

آخرت کے دور میں جو مطلوب رول ادا کرنا ہے، اُس کو ایک لفظ میں، روحانی تہذیب (spiritual civilization) کو ظہور میں لانے کا روک کھا جاسکتا ہے۔ اس روک کو انجام دینے کے لیے اعلیٰ سطح کے روحانی سائنس داں (spiritual scientists) درکار ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کا شعور موجودہ دنیا کے اعتبار سے، آخری دریافت کے مرحلے تک پہنچ گیا۔ یہ وہ اعلیٰ روحمیں ہیں جو خدائی تخلیقات میں اس کے اندر چھپے ہوئے خدائی عجائب (divine wonders) کو دریافت کریں۔ اُن کی یہ دریافت اتنی گہری ہو کہ وہ محسوس کریں کہ اُس کے اظہار کے لیے اُن کے پاس الفاظ موجود نہیں ہیں۔ کائناتی عجائب کو دیکھنے کے بعد دوبارہ وہ کہہ سکیں کہ — خدا یا، میں نہیں جانتا کہ میں تیرے تخلیقی عجائب کا بیان کس طرح کروں، اگر میں اس کو جانتا تو یقیناً میں انھیں مطلوب الفاظ میں اس کا اظہار کرتا:

O God, I don't know how to appreciate your wonders. If I had known it, I would certainly have appreciated it in those words.

موجودہ دنیا میں خدائی عجائب (unfolding) کی اُن فولڈنگ (divine wonders) عام انسانی الفاظ میں ہوئی تھی، آخرت کی دنیا میں خدائی عجائب کی ان فولڈنگ خدا کی طرف سے دئے ہوئے خصوصی الفاظ کے ذریعے ہوگی۔ دنیا میں یہ کام انسان کی مدد سے انجام پایا تھا، آخرت میں یہ کام فرشتوں کی مدد سے انجام پائے گا۔ اس کے بعد عجائب خداوندی کے ظہور کا وہ واقعہ پیش آئے گا جس کو قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورٍ رَبِّهَا۔

ماہنامہ الرسالہ کا انگریزی ایڈیشن حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ کریں:

The Spiritual Message
302, Koldongri CHS, Sahar Road
Andheri (East), Mumbai-400 099 (India)
Tel.: 022-42214700, Fax: 022-28236323
Email: spiritual.msg@gmail.com

حالات نہیں تو کیفیات نہیں

ایک روایت میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عرض ربی لی جعل لی بطحاء مکة ذهباً، فقلت: لا يارب، ولكن أشع يوماً وأجوع يوماً. فإذا جعْتَ تضرعْتُ إلَيْكَ وذَكْرَتَكَ، وإذا شَبَّعْتَ حَمْدَكَ وشَكْرَكَ (رواه احمد والترمذی، بحوالہ مشکاة المصابیح، رقم الحدیث: 5190)

یعنی میرے رب نے مجھے پیش کش کی کہ وہ مکہ کی وادی کو میرے لیے سونا بنا دے۔ میں نے کہا کہ اے میرے رب نہیں، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں اور ایک دن بھوک رہوں۔ پھر جب مجھے بھوک لگے تو میں تجوہ سے تضرع کروں اور تجوہ کو یاد کروں، اور جب میں شکم سیر ہوں تو تیری حمد کروں اور تیرا شکر ادا کروں۔

اس حدیثِ رسول کا براہ راست تعلق (direct relevance) روزے سے نہیں ہے، لیکن روزے کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے وہ بے حد اہم ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ کیفیات کا تعلق احوال سے ہے۔ اگر احوال نہیں تو کیفیات بھی نہیں۔

یہ اصول اتنا زیادہ حتمی ہے کہ حدیث کے مطابق، پیغمبر کا بھی اس میں کوئی استثناء نہیں۔ حدیث میں تضرع اور شکر کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ (exception)

تضرع اور شکر دونوں اعلیٰ ایمانی کیفیات کا نام ہے۔ مگر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تضرع اور شکر دونوں معمول کے حالات میں پیدا نہیں ہوتے۔ ضروری ہے کہ انسان کے اوپر غیر معمولی حالات گزریں، اس کے بعد ہی وہ تضرع اور شکر جیسی اعلیٰ ایمانی کیفیات سے آشنا ہو سکتا ہے۔

روزہ بظاہر ایک سلبی (negative) عمل ہے، لیکن اگر اس کو حقیقی طور پر انجام دیا جائے تو اس کے بعد وہ ایک عظیم ایجادی (positive) عمل بن جاتا ہے۔ وہ انسان کے لیے ایسی ذہنی اور روحانی ترقیوں کے سفر کا دروازہ کھول دیتا ہے جس کی آخری منزل جنت کے سوا اور کچھ نہیں۔

روزہ اور تزکیہ نفس

یہ ایک واقعہ ہے کہ روزہ تزکیہ نفس (purification of soul) کا ذریعہ ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ روزہ رکھنے سے پُراسرار طور پر اپنے آپ آدمی کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔ تزکیہ نفس ایک شعوری واقعہ ہے، نہ کہ کوئی پُراسرار واقعہ۔ روزہ آٹویک طور پر کسی کا تزکیہ نہیں کرتا۔ تزکیہ کا عمل ایک شعوری پر اس (process) کے ذریعے طے ہوتا ہے اور روزہ اس پر اس کا ابتدائی مرحلہ ہے۔

تزکیہ ایک نتیجہ کا نام ہے۔ اس نتیجے سے پہلے ایک پر پیریٹری کورس (preparatory course) درکار ہے۔ جہاں یہ ابتدائی کورس نہ پایا جائے، وہاں نتیجہ بھی نہیں پایا جائے گا۔ روزہ دراصل اسی قسم کا ایک پر پیریٹری کورس ہے، روزہ اپنے آپ ایک مطلوب نتیجہ نہیں۔

اس پر پیریٹری کورس کا عمل ایک صاحب ایمان کے اندر ہر روز جاری رہتا ہے۔ مثلاً وہ شخص جس کو شعوری ایمان حاصل ہو، وہ ہر روز مختلف تجربات کے درمیان اپنے عجز کو دریافت کرتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر اس کی توجہ اپنے دل کی طرف جاتی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ دل اگر مسلسل پمپنگ کا کام نہ کرے تو میں ایک لمحے کے اندر مرجاں گا۔ دل کی یہ پمپنگ مشین میں اپنے ارادے سے نہیں چلاتا۔ یہ خدا کا ایک داخلی تصرف ہے جو اس کو مسلسل طور پر بلا وقفہ چلا رہا ہے۔ یہ مشین اگر دو منٹ کے لیے بھی رک جائے تو یقینی طور پر میری موت واقع ہو جائے گی۔ یہی سانس کا معاملہ ہے۔ انسان ہر وقت سانس لیتا ہے۔ سانس کا مطلب ہے ہوا کے ذریعے آسیجن کو انہیں (inhale) کرنا اور اندر کے کاربن کو ایکس ہیل (exhale) کرنا، یعنی آسیجن کو لینا اور کاربن کو باہر نکالنا۔ یہ ایک مسلسل عمل ہے جو بلا وقفہ جاری رہتا ہے، مگر اس میں میرے ارادے کو کوئی دخل نہیں، وہ تمام تر خدا کے ایک داخلی نظام کے تحت ہوتا ہے۔

یہ دونوں واقعات ہر شخص کی زندگی میں ہر لمحہ پیش آتے ہیں۔ جس آدمی کا شعور زندہ ہو، وہ ان واقعات پر غور کرے گا۔ اس طرح وہ ہر لمحہ اپنے عجز کو دریافت کرتا رہے گا۔ یہ صرف دل کی حرکت یا نظامِ نفس کی بات نہیں، اس طرح کے ہزاروں واقعات ہیں جو ہر انسان کے ساتھ ہر لمحہ پیش آتے رہتے ہیں۔ مگر

الرسالہ، اگست 2011

عام طور پر انسان غفلت کی حالت میں رہتا ہے، اس لیے وہ اپنے ان تجربات سے عجز کی خدا نہیں لے پاتا۔ غافل انسان کی اسی غفلت کو توڑنے کے لیے سال میں ایک مہینے کا روزہ رکھا گیا ہے۔ روزے کی حیثیت گویا ایک کمپulsory کورس (compulsory course) کی ہے۔ کھانا اور پانی انسان کی بنیادی ضرورتیں ہیں۔ اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ روزے کے مہینے میں ان بنیادی ضرورتوں پر روک لگا کر ایک لازمی تجربہ کرایا جاتا ہے۔ روزے کا مہینہ گویا کہ ایک کمپulsory رُٹین (compulsory routine) ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر انسان کو ایک پابند کورس کے ذریعے عجز و افتقار کا لازمی تجربہ کرایا جائے، تاکہ وہ ترکیہ کے مرحلے کرنے کے قبل ہو سکے۔

جو لوگ اس طرح روزہ رکھتے ہیں کہ وہ محرومی کے وقت اتنا زیادہ کھاتے ہیں کہ شام ہونے تک انھیں بھوک نہ لگے، ان کا روزہ روزہ نہیں، بلکہ ایک خود ساختہ عمل کے ذریعے صرف روزے کا فرضی کریڈٹ لینے کی کوشش ہے جو کبھی کسی کو نہیں ملتا۔ روزے کا مقصد آدمی کو بھوک پیاس کا تجربہ کرانا ہے اور جس روزے دار کو بھوک پیاس کا تجربہ ہی نہ ہو، اس کو روزے کا مطلوب فائدہ کیوں کر حاصل ہو گا۔

ضروری ہے کہ آدمی کو بھوک لگے، وہ بھوک سے ٹڑپے، یعنی اس کی وہ کیفیت ہو جائے جو پانی کے بغیر زندہ مچھلی کی ہوتی ہے۔ جب کسی شخص کو اس طرح بھوک اور پیاس کا شدید تجربہ ہو، اس کے بعد ہی اس کے اندر وہ اعلیٰ ایمانی کیفیت پیدا ہوگی جس کو تصرع کہا گیا ہے۔ اسی طرح شکر ایک اعلیٰ ترین کیفیت ہے۔ لیکن شکر کی حقیقی کیفیت بھی اُسی شخص کے اندر پیدا ہوگی جو پہلے شدید محرومی کا تجربہ کرے اور اس کے بعد اس کو یافت کا تجربہ حاصل ہو۔ اس کے بعد ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شکر کی دریافت کرتا ہے، یعنی انعام کے بعد منعم کی معرفت۔ یہی شکر ہے اور بلاشبہ شکر سے بڑی کوئی چیز نہیں۔

روزہ ایک مہینے کے مسلسل اسی اعلیٰ حقیقت کا تجربہ کرتا ہے۔ ایک طرف وہ دن کے روزے کی شکل میں انسان کے اندر گھرائی کے ساتھ تصرع کی کیفیت پیدا کرتا ہے، پھر بھوک پیاس کے تجربے سے گزر کر شام کو وہ آزادی کے ساتھ کھاتا اور پیتا ہے۔ اس طرح وہ دریافت کرتا ہے کہ کھانا اور پانی اس کے وجود کے لیے کتنا زیادہ ضروری ہے۔ یہی دریافت جب ربانی کیفیت میں داخل جائے تو اسی کا نام شکر ہے۔

ترکیہ نفس میں ترکیہ سے مراد تطہیر (purification) ہے، یعنی نفسیاتی تطہیر، اور روح سے مراد ذہن (mind) ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ذہن ہی کا دوسرا نام انسانی وجود ہے۔ انسانی وجود کو بتانے کے لیے دوسرے الفاظ جو بولے جاتے ہیں، مثلاً روح، نفس اور فطرت وغیرہ، وہ اس کے ادبی استعمالات (literary usage) ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی شخصیت (human personality)، نفسیاتی اصطلاح میں، صرف ذہن یا ماسٹڈ کا نام ہے۔ دوسری تمام چیزیں جو انسان کی زندگی میں نظر آتی ہیں، وہ سب اسی اصل وجود کے مظاہر ہیں، ان کا مستقل بالذات کوئی وجود نہیں۔

ترکیہ نفس کا مطلب شخصیت کی تعمیر ہے۔ روزہ انسان کے اندر اسی اعلیٰ شخصیت کی تعمیر کرتا ہے۔ اس اعلیٰ شخصیت کا تحقیق صرف ایک انسان کے اندر ہوتا ہے۔ انسان کے سوا کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو اس نادر ظاہرہ کا ثبوت دے سکے۔ رمضان کاروزہ اپنے آپ میں اس اعلیٰ انسانی واقعہ کو ظہور میں نہیں لاسکتا۔ رمضان کاروزہ دراصل ایک ابتدائی کورس ہے، وہ ایک پر اس کا آغاز ہے، وہ ترکیہ کے ایک ربانی راستے پر انسان کو چلانے والا ہے۔ روزہ نقطہ آغاز ہے، وہ نقطہ اختتام نہیں۔ روزہ پہلا قدم ہے، وہ آخری قدم نہیں۔ روزہ ایک سفر کی طرف روائی ہے، وہ سفر کی آخری منزل نہیں۔ روزہ اپنے آپ کسی کو ترکیہ نفس کا یہ فائدہ نہیں دے سکتا۔ روزہ کا یہ فائدہ صرف اُس انسان کو ملے گا جس نے پہلے سے اپنے شعور کو بیدار کر کر کھا ہوا اور جو مسلسل شعوری عمل کے ذریعے روزہ سے یہ فائدہ حاصل کرنے کی سنجیدہ کوشش کرتا ہے۔

روزے کی اس غیر معمولی اہمیت کو ایک حدیث قدسی میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: کل عمل ابن آدم يضاعف الحسنة بعشر أمثالها إلى سبع مائة ضعف، قال الله تعالى إِلَّا الصوم فإنَّه لِي وَأَنَا أَجزِي بِهِ يَدِعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي. للصائم فرحتان — فرحة عند فطره، وفرحة عند لقاء ربہ (صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصوم) یعنی انسان کے ہر عمل کی نیکی دس گناہ سے سات سو گناہ تک بڑھائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مگر روزہ، وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ روزہ دار میرے لیے اپنی خواہشات (desires) کو اور اپنے کھانے کو چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ ایک خوشی اس کے افطار کے وقت، اور ایک خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت۔

روزہ کے ذریعے ترکیہ نفس کس طرح ہوتا ہے، یہ کوئی پراسرار چیز نہیں۔ یہ دراصل ایک نفسیاتی پرنسپ ہے جو روزہ کے ذریعے انسان کے اندر جاری ہوتا ہے اور نہ صرف رمضان کے میئنے میں بلکہ پورے سال جاری رہتا ہے۔ روزہ رکھ کر جب انسان کو بھوک اور پیاس تڑپاتی ہے، اُس وقت اس کو اپنی حیثیت واقعی کا تجربہ ہوتا ہے۔ وہ دریافت کرتا ہے کہ اللہ کی مدد کے بغیر میں کچھ بھی نہیں۔ یہ تجربہ انسان کو آخری حد تک کٹ ٹو سائز (cut to size) کر دیتا ہے۔ ایک حقیقی روزہ انسان کے اندر ان چیزوں کو بالکل ختم کر دیتا ہے جو اُس کو اللہ سے دور کرنے والی ہیں، مثلاً فخر، بڑائی، فراموشی، غفلت، وغیرہ۔ ایک حقیقی روزہ انسان کی پوری شخصیت کو چھوڑ دیتا ہے۔ حقیقی روزہ رکھ کر آدمی اُسی طرح تڑپنے لگتا ہے جس طرح پانی کے بغیر مچھلی تڑپتی ہے۔ روزہ انسان کے لیے ایک طرف اپنے بے کچھ ہونے کا تعارف ہے اور دوسری طرف، اللہ کے سب کچھ ہونے کا تعارف۔

یہی تجربہ ترکیہ کی روح ہے۔ یہ تجربہ آدمی کے لیے کلی تطہیر (total purification) کے ہم معنی بن جاتا ہے۔ انسان عام زندگی میں مختلف قسم کی فرضی بڑائی (false glory) کے احساس میں جیتا ہے۔ فرضی بڑائی کا یہی احساس آدمی کے لیے خدا سے دوری کا سبب بن جاتا ہے۔ روزے کا تجربہ آدمی کو آخری حد تک کٹ ٹو سائز کر دیتا ہے۔ جب آدمی عجز کے اس تجربے تک پہنچتا ہے تو وہ دریافت کرتا ہے کہ میری طرف صرف نہیں ہے اور خدا کی طرف صرف ہے۔ اسی دو طرف دریافت کا نام ترکیہ نفس ہے۔ اس دریافت کے بغیر کسی انسان کو ترکیہ کا درج حاصل ہونے والا نہیں۔

ترکیہ نفس کا ایک پہلو وہ ہے جس کو تطہیر کہا جاتا ہے، یعنی نفس کو تمام غیر مطلوب کیفیات سے پاک کرنا۔ مگر یہ پاک کرنا کوئی محدود عمل نہیں ہے۔ نفس کی تطہیر آدمی کے لیے معاً ایک اور دروازہ کو کھول دیتی ہے۔ یہ روحانی ارتقا کا دروازہ ہے۔ انسان کی شخصیت اپنے آپ میں ٹھیک اُسی طرح ایک نموذج یہ چیز ہے جس طرح درخت کا ایک تیج نموذج یہ ہوتا ہے۔ تیج سے اگر ہر قسم کے موائع (obstacles) کو ہٹا دیا جائے تو اپنے آپ وہ اگنا شروع ہو جائے گا اور بتدریج ایک مکمل درخت بن جائے گا، ایک ایسا درخت جس میں شاخیں ہوں، ہری پیتاں ہوں، خوبصور پھول ہوں، صحت بخش پھل ہوں، وغیرہ۔

اسی طرح قرآن کے مطابق، انسان کی شخصیت بھی تو انائی سے بھرا ہوا ایک نجح ہے۔ وہ اپنے آپ میں بڑھنا چاہتا ہے اور فضاؤں میں پھیل جانا چاہتا ہے۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ اس کے مادی موانع کو ہٹا جائے۔ روزہ یا روزے کا پراس کا گرحتی طور پر موجود ہو تو وہ اسی طرح انسانی شخصیت کے نجح سے تمام نفسیاتی موانع کو ہٹا دیتا ہے۔ اس کے بعد ایسا ہوتا ہے کہ انسانی شخصیت خود اپنی فطرت کے زور پر ترقی کرنے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے اس کا وہ حال ہو جاتا ہے جس کو قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: اصلہا ثابت و فرعها فی السماء (4:24)۔

ایک شخص جو روزے سے پہلے خدا کو دریافت (discover) کر چکا ہو، جو ایک تیار ہن (prepared mind) کے ساتھ روزے کے مہینے میں داخل ہو۔ ایک ایسا انسان جب حقیقی معنوں میں روزہ رکھے گا تو اس کو پورے مہینے کی راتوں اور پورے مہینے کے دنوں میں انوکھے تجربات ہوں گے۔ ایسے آدمی کا روزہ اس کو ہر قسم کے ڈسٹریکشن سے بچائے گا، ایسے آدمی کا روزہ اس کو ہر طرف سے یکسو کر کے خدا کی یاد میں لگادے گا۔ اس کا یہ حال ہو گا کہ نماز پڑھتے وقت اس کو مزید خشوع کا تجربہ ہو گا، قرآن کی تلاوت کرتے وقت اُس پر نئے نئے معانی کھلیں گے، فطرت کے مشاہدے میں اس پر فطرت کے نئے نئے تخلیقی پہلو نظاہر ہوں گے، ہر تجربہ اس کے لیے پہلے سے زیادہ گہرا تجربہ بن جائے گا، ہر چیز سے اس کا ذہن زیادہ اعلیٰ قسم کی فکری اور روحانی غذا میں حاصل کرنے لگے گا، وہ اپنی زندگی کی معنویت کو زیادہ بہتر طور پر دریافت کرے گا، اس کی بڑھی ہوئی حساسیت اس کو مزید اضافے کے ساتھ موت کی یاد لائے گی، اس کا پورا مہینہ اس طرح گزرے گا کہ گریدیز اری کے درمیان ذکر و دعا کے نئے الفاظ اس کی زبان پر آئیں گے، اس کا سونا ایک نیا سونا بن جائے گا، اس کا جا گناہ ایک نیا جا گناہ بن جائے گا، صبح کی روشنی اور شام کی تاریکی اس کو بالکل نئے تجربات سے ہم کنار کرے گی۔

اس طرح کیفیات سے بھرا ہوا ایک پورا مہینہ گزارنے کے بعد جب وہ یکم شوال کی صبح کو نماز ادا کرنے کے لیے عید گاہ کی طرف روانہ ہو گا، تو اس کو وہ حدیث یاد آئے گی جس کو محدثین نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے: ”..... فِإِذَا كَانَ يَوْمُ عِيدِهِمْ، يَعْنِي يَوْمَ فِطْرَهِمْ، بَاهِيْ بَهْمَ مَلَّاتِكَيْهِ، فَقَالَ: مَلَّاتِكَيْ، ماجزاءُ

أَجِيرٍ وَقَنِ عَمَلَهُ قَالُوا: رَبَّنَا، جَزَاهُ أَن يُوْفَى أَجْرُهُ قَال: مَلَائِكَتِي، عَبِيدِي وَإِمَانِي قَضَوا فِي رِضْتِي عَلَيْهِمْ، ثُمَّ خَرَجُوا يَعْجُجُونَ إِلَى الدَّعَاءِ، وَعَزْتِي وَجَلَالِي وَكَرْمِي وَعُلُوِّي وَارْتِفَاعِ مَكَانِي لِأَجْيَنَّهُمْ فِي قَوْل: ارْجُعُوا فَقَدْ غَرِثْ لَكُمْ، وَبَذَلْتُ سَيَّئَاتِكُمْ حَسَنَاتٍ قَال: فَيَرْجُونَ مَغْفِرَةً لَهُمْ (رواه البهقي في شعب الإيمان، باب الصيام، فصل في ليلة العيد وبوهمها) يعني جب عيد کادن آتا ہے، یعنی عید الفطر کادن، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے روزے دار بندوں اور بندیوں پر فخر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: اے میرے فرشتو، اُس کی جزا کیا ہے جس نے اپنے عمل کو پورا کر دیا۔ فرشتے کہتے ہیں کہاے ہمارے رب، اُس کی جزا یہ ہے کہ اُس کو اُس کے عمل کا پورا بدل دے دیا جائے۔ خدا ہتا ہے کہ اے میرے فرشتو، میرے بندوں اور میری بندیوں نے میرے اُس فرض کو ادا کر دیا جو ان پر عائد تھا، پھر وہ نکلے ہیں دعا کے ساتھ مجھ کو پکارتے ہوئے۔ میری عزت اور میرے جلال کی قسم، میرے کرم، میرے علوی شان اور میرے بلند مقام کی قسم، میں ضرور ان کی پکار کو سنوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: تم لوگ واپس جاؤ، میں نے تم کو بخش دیا اور میں نے تمھارے سیات کو حسنات میں تبدل کر دیا۔ پس وہ لوگ اس طرح لوٹتے ہیں کہ ان کی مغفرت ہو چکی ہوتی ہے۔

روزہ بظاہر ایک مہینے کے لیے ہوتا ہے، لیکن اپنی اسپرٹ کے اعتبار سے وہ پورے سال کے لیے، بلکہ پوری عمر کے لیے مطلوب ہے، حتیٰ کہ ان لوگوں کے لیے بھی جو کسی شرعی عذر کی بنا پر روزہ رکھنے کے قابل نہ رہیں، ان سے بھی یہ اسپرٹ والا روزہ ہمیشہ مطلوب رہے گا، یعنی یہ کہ آدمی روزہ کے واقعات اور مختلف تجربات کے درمیان اپنے عجز و افتقار کو دریافت کرتا رہے۔ یہی روزہ کی اصل حقیقت ہے۔ جو آدمی اس معنی میں مسلسل روزہ دار بنا رہے، وہ ہمیشہ روزہ کے فائدے کو حاصل کرتا رہے گا، روزے کا روحانی فائدہ کبھی اس میں منقطع ہونے والا نہیں۔

ماہ نامہ الرسالہ اور مولانا وحید الدین خاں کی عصری اسلوب میں فکر انگیز ترین حسب ذیل پتہ پر دستیاب ہیں:

Rahbar Book Service
C-24, Shaheen Bagh,
Thokar No. 8, Tayyib Masjid Road
Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025
Mob.: 09810862382, 09716048296

اعتكاف کی دو میں

ایک اعتكاف وہ ہے جو رمضان کے مہینے میں مسجد کے اندر کیا جاتا ہے۔ اس اعتكاف کا ذکر قرآن کی سورہ البقرہ میں ان الفاظ میں آیا ہے: وَأَنْتَمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ (2:187)۔
دوسری اعتكاف فُکری اعتكاف (intellectual seclusion) ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متواصل الأحزان، دائم الفكرۃ (الشمايل للترمذی، رقم الحدیث: 225)
اس سے مراد یہی فُکری اعتكاف ہے، یعنی خاموشی کے ساتھ سوچتے رہنا۔

مسجد کا اعتكاف مُنْهَم (minimum) اعتكاف ہے۔ اس کے عکس، ذہنی اعتكاف مُبِکْسَم (maximum) اعتكاف۔ صحابہ کے درمیان اس ذہنی اعتكاف کا عام روایت تھا۔ بعض صحابہ کے بارے میں صراحتہ اس کی مثال ملتی ہے۔ مثلاً حضرت ابوالدرداء انصاری کے بارے میں اُن کی وفات کے بعد اُن کی اہلیہ ام الدرداء سے پوچھا گیا کہ ابوالدرداء کی خاص عبادت کیا تھی۔ ام الدرداء نے جواب دیا کہ — التفکر والاعتبار، یعنی خور کرنا اور نصیحت پکڑنا۔

فُکری اعتكاف وہی چیز ہے جس کے لیے قرآن میں اس قسم کے الفاظ آئے ہیں۔
تفکر، تذکر، توسم اور تعقل، وغيرہ۔ اس سے مراد ہے چیزوں پر سوچنا۔ سوچنے کا یہ عمل بے حد اہم ہے۔ سوچنے کے عمل سے تمام اعلیٰ صفات پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً حکمت، معرفت، ذہنی ارتقا، ازدواج ایمان، گہرے معانی کی دریافت، وغيرہ۔

یہ فُکری اعتكاف کسی مونمن کے لیے بے حد اہم ہے۔ مگر اس کی ایک لازمی شرط ہے۔ اور وہ ہے، ہر قسم کے ڈسٹریکشن (distraction) سے اپنے آپ کو بچانا۔ اس کے بغیر فُکری اعتكاف کسی آدمی کے لیے ممکن نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ذہنی اعتكاف ایک مسلسل فُکری عمل کا نام ہے۔ اسی فُکری عمل سے وہ چیز حاصل ہوتی ہے جس کو قرآن میں ازدواج ایمان کہا گیا ہے۔ فُکری عمل نہیں، تو ازدواج ایمان بھی نہیں۔

اچھنسی الرسالہ

الرسالہ نیک وقت اردو اور انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ الرسالہ (اردو) کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ الرسالہ (انگریزی) کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بہ آئیزد گوت کو عام انسانوں تک پہنچا جائے۔ الرسالہ کے تعمیر اور دعویٰ شن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی اچھنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہنچائیں۔ اچھنسی گویا الرسالہ کے متوج قارئین تک اس کو مسلسل پہنچانے کا ایک ہتھیں درمیانی و سیلہ ہے۔ الرسالہ (اردو) کی اچھنسی لیانا ملت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی اچھنسی لیانا اسلام کی عومنی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کار نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

اچھنسی کی صورتیں

- 1- الرسالہ کی اچھنسی کم از کم پانچ پر چوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن 25 فی صد ہے۔ 100 پر چوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن 33 فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔
- 2- زیادہ تعداد ولی اچھنسیوں کو ہر ماہ پر پچے بذریعوی پی روائے کئے جاتے ہیں۔
- 3- کم تعداد ولی اچھنسی کے لئے ادا یگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پر پچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیج جائیں، اور صاحب اچھنسی ہر ہاہی دو تین ماہ بعد اس کی رقم بذریعہ منی آڑ روانہ کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ چند ماہ (مثلًا تین مہینے) تک پر پچے سادہ ڈاک سے بھیج جائیں اور اس کے بعد والے مہینے میں تمام پر چوں کی مجموعی رقم کی وی پی روائے کی جائے۔

مبینی میں حلقة الرسالہ سے وابستہ افراد کی ملہنہ میٹنگ ہر مہینہ کے پہلے توکرتوں بن بھے حسب ذیل مقام پر ہوتی ہے:

Glow Pharma, 302, A Wing,
Koldongri CHS, Parsi Wada Bus Stop
Sahar Road, Andheri, East Mumbai



Islami Zindagi/Questions and Answers
by
Maulana Wahiduddin Khan
Zee Salaam
Daily 6.00 am, 6.30 pm



ISLAM FOR KIDS
by
Saniyasnain Khan
ETV Urdu
Sunday 11.30 am
Friday 3.30 pm, Saturday 11.00 am

الرسالہ، اگست 2011

48